WORLD CHRISTIAN BOOKS
NO. 1

# THE CHRISTIANS' GOD

STEPHEN NEILL

# مسیحی تصوّرِ خدا

سٹیفن نیل

381

8

# مسیحی تصورِ خدا

مُصنّف

بشپ سٹیفن نیل صاحب

مُترجمہ

دوست جالندھری

---

ناشران

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

سنہ ۱۹۶۶ء

تعداد ۱۰۰۰ بار دوم

# مسیحی تصوّرِ خُدا

"ورلڈ کرسچن بکس" سلسلے کی اِس پہلی جِلد میں بشپ سٹیفن نیل صاحب "مسیحی تصورِ خُدا" کے اہم مسئلہ کو اس سوال سے شروع کرتے ہیں۔ "خُدا کِس کی مانند ہے؟" اور اُن کے نزدیک یہ سوال اس لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ ہر محقق کی یہ ابتدائی مُشکل ہے؟

مختصر یہ کہ بشپ صاحب اس رسالے میں اُن تصوّرات کا ذِکر کرتے ہیں جو مسیحیوں کے دِلوں میں خُدا کے بارے میں ہیں اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :-

خُدا باپ ہے اور خالق بھی ہے ...... خُدا محبت ہے اور رُوح بھی ؛

---

مطبوعہ :- وطن پرنٹنگ پریس لاہور

# دیباچہ

## منجانب مدیرِ اعلیٰ

بیسویں صدی کا آغاز مسیحی کلیسیا کے لئے ایک اُمید کا دور تھا۔ مغربی کلیسیائیں ایمان میں مضبوط اور متموّل نظر آتی تھی اور ممتاز المرتبہ جدید کلیسیائیں دُنیا کے تقریباً تمام حصّوں میں بڑی تیزی سے ترقّی کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انجیل کی خوشخبری بغیر کسی شدید مخاصمت و مُخالفت کے تمام رُوئے زمین پر پھیلتی چلی جائے گی لیکن اس مشاہدہ کے پچاس سال کے عرصہ کے بعد اب ساری چیزوں کا رنگ و رُوپ بدل چُکا ہے۔ ہر ایک مسیحی جانتا ہے کہ موجُودہ ایّام کلیسیا کے لئے مُشکلات کے ایّام ہیں۔ قدیم مذاہب انجیل مُقدّس کی مزاحمت کے لئے نئی زندگی اور نئی قُوّت حاصل کر رہے ہیں۔ جدید مُعتقدات (مثلاً اشتراکیت) کروڑوں ایمانداروں کو اپنی طرف جذب کر رہے ہیں مسیحیوں کا ایمان ہے کہ خُداوند یسُوع مسیح انسان کے لئے خُدا کا آخری کلام ہے اور کُل مُستقبل اُسی کے دستِ مُبارک میں ہے۔ وُہ اس امر سے بھی باخبر ہیں کہ مسیحی ایمان کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ نشوونما پا سکتا ہے جب تک

مجموعی طور سے کلیسیائیں اور انفرادی طور سے مسیحی لوگ اپنے ایمان کی گواہی کے لئے نئی زندگی، نیا اعتماد اور نئی قوت حاصل نہ کریں۔ موجودہ ایام میں ہر مسیحی کو انجیلِ مقدس کا مبشر بننا لازمی و لابدی ہے۔

آج کی دنیا میں محض اعتقاد رکھنا ہی کافی نہیں۔ ہمارے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم اس کی تفہیم بھی حاصل کریں۔ دنیا کے ہر حصہ سے ایسی کتابوں کی مانگ پیدا ہو رہی ہے جن کے مطالعہ سے ہر ایک مسیحی اپنے ایمان کی سوجھ بوجھ حاصل کر سکے تاکہ وہ اِن سوالات کے جوابات معلوم کر سکے جو آج اس سے اور دیگر مسیحیوں سے پوچھے جاتے ہیں اور وہ اس بات کو سمجھے کہ مسیحی ایمان کو کس طرح دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہ عالمی مسیحی کتب کا سلسلہ اس خاص مسیحی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتب خاص طور پر نئی پود کی کلیسیاؤں کے لئے ہیں تاہم موجودہ حالاتِ زندگی میں اب نئی اور پرانی کلیسیاؤں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ تمام کلیسیاؤں کے بالمقابل ایک ہی قسم کے مسائل درپیش ہیں۔ تمام ممالک میں ایک ہی طرح کے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ کتب اُن لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جنہیں تبلیغ و تدریس کی بلاہٹ ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ جو مواد ان کتب میں پیش کیا گیا ہے ایسے لوگوں کی معاونت کرے گا تاکہ وہ اپنے کام کو زیادہ مؤثر طریق سے سرانجام دے سکیں۔ ہمارا نصب العین یہی رہا ہے کہ ہم ان خیالات کو ایسی سادہ عبارت میں لکھیں کہ عام شرکائے کلیسیا جو اپنے ایمان کا مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہیں، اس ذخیرہ کتب کو انفرادی اور مجموعی مطالعہ کی صورت میں استعمال کر سکیں

تاکہ وہ مسیحی ایمان کے علم اور اس کی معرفت میں نشو ونما پائیں۔

یہ سلسلہ کُتب پہلے پہل زبان انگریزی میں چھپ رہا ہے لیکن یہ ارادہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہ کُتب مسیحی دُنیا کی تمام رائج الوقت زبانوں میں ترجمہ ہوکر عوام کے ہاتھوں میں چلی جائیں۔ اس سلسلۂ کُتب کے مُصنّفین کو دُنیا کے مختلف ممالک اور کلیسیا ئے عالم گیر کی مُختلف شاخوں سے مُنتخب کیا گیا ہے۔ اس مُہم کے لئے خاص زور نئی کلیسیاؤں پر دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لئے مُختلف آوازیں پیدا ہوں گی لیکن ہمارا نصب العین اور امید یہ ہے کہ ہم مختلف خیالات اور مختلف زبانوں کے وسیلہ کلیسیا کے ایمان کو جو ایک خُداوند پر ہے صریح طریق سے دُنیا کے سامنے پیش کریں۔

سٹیفن نیل

(بشپ)

# پہلا باب

## ایک اہم سوال

**خدا کس کی مانند ہے؟** غالباً یہ ایک ایسا اہم اور ضروری سوال ہے جسے کوئی شخص بھی دریافت کر سکتا ہے اور بعض لوگ پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا خدا ہے بھی؟ یقیناً یہ ایک اہم سوال ہے اور اس سوال کو غالباً اسی سلسلے کی کسی دوسری کتاب میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔ لیکن صرف یہ کہہ دینا "کہ یہ میرا یقین ہے کہ کوئی ایسی ہستی یا ایسی چیز عالمِ وجود میں ضرور ہے جسے خدا کہا جاتا ہے" اور خدا کے کسی نوعیت کے وجود پر بھی یقین رکھنا ہمیں بہت دور نہیں لے جاتا اور سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ خدا کی وہ کونسی قسم ہے جس پر ہم یقین رکھتے ہیں۔ دنیا میں بعض لوگوں نے مذہب کو بہت بری حیثیت سے اختیار کر رکھا ہے اور مذہب کو اتنا برا بنا دیا ہے کہ اس قسم کے مذہب کو اختیار کرنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی کسی مذہب کو سرے ہی سے اختیار نہ کرے۔

خدا پر یقین رکھنے والے لوگ خود اپنے خدا پر یقین لاتے ہوئے بھی خود کو اپنے خدا کی مثل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ ناقص خدا

مانتے ہیں جو سنگدل، ظالم اور بے انصاف ہے تو وہ خود بھی اپنے خُدا کی طرح انتہائی بُرے آدمی بن جاتے ہیں۔ غالباً ایک ایسے خُدا پر ایمان رکھنے کی بجائے یہ بہتر ہوتا کہ کسی خُدا پر ایمان نہ رکھا جائے، لہٰذا ہماری توجہ اس سوال پر پھر مبذول ہو جاتی ہے کہ خُدا کس کی مانند ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی نوعیت کے خُدا پر ایمان رکھتا ہے۔

ایک وقت تھا جب بہت سے لوگ اس بات پر شبہ کرتے تھے کہ کیا واقعی دُنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی انداز میں خُدا پر ایمان رکھتا ہے لیکن جیسے جیسے دُنیا میں نئے نئے ممالک کے لوگوں کو عام انسانوں نے جاننا پہچاننا شروع کیا، اُن پر یہ حقیقت مُنکشف ہوتی گئی کہ عہدِ قدیم کے وہ انسان بھی جو افریقہ کے گھنے جنگلوں، ملایا کی پہاڑیوں اور آسٹریلیا کے ریگستانوں میں رہتے تھے کسی نہ کسی طور سے خُدا پر یقین رکھتے تھے۔ عرصہ دراز تک لوگوں کا یہ خیال رہا کہ انسانوں کی کوئی قدیم ترین نسل تو ایسی ملے گی جو کوئی مذہب نہ رکھتی ہو لیکن یہ خیال بالآخر باطل ثابت ہُوا۔ کئی بار دُور دراز کا سفر کرنے والے مسافروں یعنی سیاحوں نے بتایا ہے کہ اُنہوں نے انسانوں کا ایک ایسا گروہ دیکھا ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن جب تحقیق کی گئی تو اُن کا یہ دعوٰے غلط ثابت ہُوا ہے۔ اُن کے دعوے کی وجہ صرف یہ معلوم ہُوئی کہ یہ لوگ اجنبی ہونے اور اُن لوگوں کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے

اُن کے مذہب کے بارے میں پُوری آگاہی حاصل نہ کر سکے تھے۔
ایسے لوگوں کے متعلق جب چھان بین کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ بھی چند
معتقدات رکھتے ہیں۔ وہ بھی خُدا کی پرستش کرتے ہیں اور یہ مذہبی
تصورات اُن کی زندگی پر چھائے ہُوئے ہیں اور اُن بے حد پسماندہ
انسانوں میں بھی ایک عظیم و برتر خُدا کا تصوّر پایا گیا ہے۔ چنانچہ تحقیق و
تفتیش اور مطالعہ نے اس بات کو یقینی بنا دیا ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی
ایسی نسل یا قبیلہ نہیں ہے جس کے متعلق ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ کسی خُدا پر
یقین نہیں رکھتا یا یہ کہ اِن لوگوں کی کوئی قدیم نسل بھی خُدا یا دیوتاؤں
پر یقین نہیں رکھتی تھی:

## چند باطل یا اُدھورے جوابات:۔

جب لوگ خُدا پر یقین رکھتے ہُوئے زندگی بسر کرنے کی کوشش
کرتے ہیں تو یہ کوشش اُن کے لئے آسان ثابت نہیں ہوتی۔ بالفاظ دیگر
جو لوگ خُدا کے بغیر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، اُن کی کوشش رائیگاں
ہے چنانچہ مذاہب عالم میں بُدھ مت ایک ایسا مذہب تھا جس میں
ابتدا میں خُدا کے وجُود کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ لنکا اور برما میں اب
بھی بُدھ مت کے کچھ پیرو ایسے موجُود ہیں جو اُنہی تعلیمات کے
علمبردار ہیں جن کی تلقین پانچ سو سال قبل از مسیح گوتم بُدھ نے کی
تھی لیکن تبت، چین اور دُوسرے ممالک میں بُدھ مذہب کے
ماننے والوں نے بھی "متعدد خُداؤں" اور "دیوتاؤں" کو تسلیم کیا۔

(اگرنتھی ۸ : ۵) بلکہ وُہ ان کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ گوتم بُدھ نے بشارت دی تھی کہ انسان گیان کے ذریعہ آزادی حاصل کر سکتا ہے لیکن اکثر و بیشتر انسانوں کے لئے علم کافی نہیں ہوتا۔ وُہ پرستش کرنے کی شدید خواہش محسُوس کرتے ہیں اور اس طرح اُس مذہب میں بھی دیوتاؤں کو واپس بُلا لیا گیا ہے جس مذہب کی بُنیاد ہی دیوتاؤں کے وجُود کی نفی پہ قائم کی گئی تھی ؛

یہی صُورتِ حال ہم آج کی جدید دُنیا میں بھی دیکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنا آبائی مذہب ترک کر چُکے ہیں جس میں وُہ پلے اور بڑھے تھے۔ بہت سے لوگ یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن یہ ہرگز ممکن نظر نہیں آتا کہ ایک انسان کسی نہ کسی اعتقاد کے بغیر زندہ رہ سکے۔ یقیناً اس کے سامنے خود اس کی ذات کے علاوہ کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس کے سہارے وُہ زندہ رہتے ہیں اور جس کے لئے (اگر ضرورت پڑے) تو وُہ جان بھی دے سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کے لئے اُن کا وطن یا اُن کی قوم مذہب کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ ایک بڑی قوم کا فرد ہونے کی حیثیت سے ایک معمُولی شخص بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اُس کے محسُوسات کُچھ ایسے ہوتے ہیں جیسے کہ اگر وُہ مر بھی جائے تو کوئی بات نہیں کیونکہ اُس کی قوم تو زندہ رہے گی۔ اور قومی زندگی میں وُہ زندۂ جاوید قرار پائے گا۔ چنانچہ اس صدی میں بے شمار نوجوانوں نے اِسی یقین کے

---

ساتھ مسکراتے ہوئے اپنی جانیں دے دی ہیں ؛

اشتراکیوں کا بھی ایک خدا ہے اور وہ "مستقبل" ہے۔ آج دنیا میں بڑی ناانصافی اور ظلم ہو رہا ہے۔ "ہاں! البتہ مستقبل ہی یہ بات ثابت کرے گا کہ ہم حق پر تھے اور ہمیں اس ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے یہ "سب کچھ کرنا چاہیئے تھا جو ہم کر رہے ہیں"۔ اب تک لوگ غریب ہیں اور بھوکے مر رہے ہیں۔ "لیکن کل سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا" اور اسی مستقبل اور اسی آنے والے کل کے لئے وہ منصوبے بناتے ہیں اور یہ شغف و انہماک اس سے کہیں زیادہ ہے جو ایک مذہبی آدمی کو اپنے مذہبی کاموں سے ہوتا ہے۔ عقیدت و انہماک اور سرگرمی کے ساتھ وہ اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں ؛

ایک مسیحی کو تو یہ بات بالکل قدرتی معلوم ہوتی ہے کہ ہر شخص کسی عقیدے اور کسی نوعیت کے خدا کو مانے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں اس سوال پر بھی ایک نگاہ ڈال لینا ضروری ہے کہ انسان خود کیا ہے۔

انسان اپنی ایک ذات میں تو محض ایک حیوان ہے۔ اس کا جسم اُسی قانون کے ماتحت ہے جس طرح حیوانات کے جسم ہیں پھر جو چیز انسان کو دوسرے حیوانات سے جدا اور ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ وہ ایک ایسا حیوان ہے جس میں پرستش کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ یہ صلاحیت تمام انسانوں میں ہوتی ہے اور یہ صلاحیت حیوانوں میں یقیناً نہیں ہوتی ؛

انسان کے بارے میں یہی وہ پہلی چیز ہے جو کتاب مقدس ہمیں بتائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ "خدا کی صورت پر خلق کیا گیا ہے" اور یہاں اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ خدا اسی قسم کا جسم رکھتا ہے جیسا کہ انسان کا ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ مقدس اگسٹائن نے کہا تھا "اے خدا تو نے ہمیں اپنی ذاتِ اقدس کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ ہمارے دل اُس وقت تک بے چین رہیں گے جب تک کہ ہم تیری ذات میں ہی سکون نہیں پا لیتے"۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا سے ربط کرنے کی اپنی صلاحیت کو بالکل کام میں نہیں لاتے لیکن جو شخص تنہا یا جماعت کے ساتھ عبادت نہیں کرتا وہ مکمل آدمی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خدا کے ایک قیمتی عطیہ کو کام میں نہیں لاتا اور جب تک وہ اپنی عبودیت کی صلاحیت کو بروئے کار نہیں لاتا اُس وقت تک وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اب پھر ہم اپنے پہلے سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلا شبہ بہت لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ کس کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر وہ پرستش کرتے ہیں تو کسے خدا مان کر اور وہ کس قسم کے خدا پر یقین رکھتے ہیں؟ آج کے دن بہت سے لوگ جس قسم کے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں، وہ خدا نہیں بلکہ حقیقتاً بُت ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری

ہے کہ بُت صرف وُہی نہیں ہوتا جو لکڑی یا پتھر سے تراش کر پرستش کے لئے کسی خاص مقام پر رکھ لیا جاتا ہے بلکہ کتاب مقدس کی زبان میں بُت وُہ ہے جو جعلی سکے کی طرح نقلی اور صرف دکھاوے کی چیز ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے تمام خُدا جنہیں انسان اپنی خواہشات کے مطابق اپنے خیالات اور دلوں میں گھڑ لیتا ہے وُہ حقیقتاً سب بُت ہیں۔ پھر ان بُتوں سے کس طرح پیچھا چھڑایا جائے؟ انہیں زبردستی طاقت کے ذریعہ نہیں توڑا جا سکتا، ان سے عُہدہ برآ ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وُہ یہ کہ ان بُتوں کو حقیقی اور زندہ جاوید خُدا کے مقابلے میں لایا جائے اور جب انسان کے دِل میں حقیقی خُدا جلوہ نما ہو جائے گا تو پھر غلط تصورات اور بُت اُس کے قلب و ذہن سے خود بخود معدوم ہو جائیں گے۔

## خُدا جس سے محبت کی جا سکتی ہے:۔

مسیحی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اُنہوں نے حقیقی خُدا کو پہچان لیا ہے لیکن اگر کوئی بُت پرست کسی مسیحی سے یہ کہے کہ بھلا یہ تو بتلایئے کہ تمہارا خُدا کس کی مانند ہے تو ہو سکتا ہے کہ مسیحی فوری طور پر یہ نہ سمجھ سکے کہ اسے کیا جواب دینا چاہیئے اگرچہ اس بارے میں بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن مسیحی اگر عقلمند ہے تو وُہ یُوں کہے گا کہ خُدا وُہ ہستی ہے جس سے محبت کی جا سکتی ہے۔ پہلا حُکم یہ ہے "اور تُو خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل، اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"۔

بائبل مقدس ایک بڑی قابلِ عمل کتاب ہے۔ یہ کتاب انسان کی زندگی کے بارے میں (جیسی کہ یہ ہے اور جیسا کہ اسے ہونا چاہیئے) بحث کرتی ہے اور کتاب مقدس میں جو احکام درج کیے گئے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے۔ اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان ایک کمزور مخلوق ہے اس لئے اِن احکام کی پابندی بغیر خُدا کی (جس نے یہ احکام نافذ کیے ہیں) مدد کے ممکن نہیں لیکن ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اِن احکام کو محض حسین تخیلات کا درجہ دے کر چھوڑ دیں۔ ہمیں بہر حال اِن کی پابندی کرنی ہے۔ اگر کتابِ مقدس ہمیں خُدا سے محبت رکھنے کا حکم دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس قسم کی مخلوق ہیں جو خُدا سے محبت کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی ہے کہ خُدا ہم جیسی مخلوق کا محبوب بن سکتا ہے۔ مسیحی عقیدے کی بُنیاد یہ ہے کہ خُدا انسان سے محبت کرتا ہے لہٰذا انسان کو بھی خُدا سے محبت کرنا لازم ہے۔

اب یہ جاننا ہے کہ دُوسرے مذاہب کی تعلیمات کے مقابلے میں مسیحی تعلیم کس حد تک اہمیت رکھتی ہے۔ دُنیا میں بہت سی قومیں ابھی تک "مادہ پرستی"[۱] کی سطح پر جی رہی ہیں۔ اِن کے نزدیک درختوں پر، دریاؤں میں، پہاڑوں میں اور میدانوں میں قابلِ پرستش رُوحیں ہیں اور یہ کہ ساری دُنیا دیوتاؤں سے بھری پڑی ہے۔

اِن میں سے کئی دیوتا ظالم اور ضرر رساں تصور کیے جاتے ہیں گویا یہ انسان کو نقصان پہنچانے کی گھات میں رہتے ہیں۔ ایک مظاہر پرست دِن بھر خوش و

---

[۱] بے جان چیزوں میں بھی رُوح ہونے کا اعتقاد۔

خرّم رہتا ہے لیکن رات کے اندھیرے میں وُہ گھر سے بھی باہر نہیں نکلتا۔اس کے خیال میں یہ ایسا وُہ وقت ہوتا ہے ،جس وقت کہ دیوتاؤں کو سب سے زیادہ طاقت اور اختیار حاصل ہوتا ہے ۔چنانچہ ایسا مذہب خوف اور دہشت سے بھرپُور ہوتا ہے اور اس میں محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

ایکوری(الذّت پرست)جن سے مقدّس پولُوس کی مُلاقات ایتھنز میں ہُوئی تھی (اعمال ۱۷: ۱۸) دیوتاؤں کے وجُود سے مُنکر نہیں تھے لیکن اُن کا تصوّر یہ تھا کہ خُدا اور دیوتا، ایک دُور دراز دُنیا میں بڑے خاموش اور پُرسکُون ماحول میں رہتے ہیں ،جہاں نہ طُوفان آتے ہیں اور نہ برف گرتی ہے اور انہیں انسانوں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جب اُن دیوتاؤں کو انسانوں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر ہم اُن میں کیوں دلچسپی لیں ،اگر وُہ ہم سے محبّت نہیں کرتے تو پھر ہم اُن سے محبّت کیوں کریں ۔

ہندومت کے بھی بعض فرقے بھگتی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یعنی دُنیا کو ترک کر صرف خُدا یا دیوتاؤں میں سے کسی ایک کی پرستش کے لئے زندگی کو وقف کر دینا۔لیکن قدیم حقیقی ہندو مذہب میں خُدا کا تصوّر کسی ایسی ذات میں پیش نہیں کیا گیا جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ وُہ ایسا کرتا ہے یا نہیں کرتا اور وُہ کسی سے محبّت کرتا ہے یا کسی کی جانب توجّہ کرتا ہے یا نہیں ؟ بلکہ ہندومت کے تصوّر کے مطابق تو خُدا رُوحوں کا ایک ایسا بحرِ بیکراں ہے جس کی آغوش میں پہنچنے کے لئے ہم سب کو شاں رہنا چاہیئے جس طرح بارش کا قطرہ جب سمندر میں گرتا ہے تو وُہ اپنا وجُود کھو

---

ط THE EPICUREANS.

بیٹھتا ہے اور سمندر ہی کا جزو بن جاتا ہے"۔ اسی طرح ایک ہندو کو خُدا کی ذات میں اس طرح ضم ہو جانے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ پھر مَن و تُو کا سوال باقی نہ رہے اور پھر جہاں مَن و تُو کا وجُود ہوتا ہے وہاں تو محبت بھی ہو سکتی ہے لیکن جہاں من و تُو ہی باقی نہ رہے وہاں محبت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام میں خُدا ایک حاکم اور مُنصف ہے۔ وہ بیحد قوی اور خوفناک ہے انسان پر واجب ہے کہ وہ خُدا پر ایمان لائے اور اُس کی اطاعت کرے، چاہے وُہ یہ نہ سمجھ سکے کہ خُدا کی یہ مرضی کیوں ہے جسے وُہ پُورا کرنا چاہتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وُہ خُدا کی مرضی کے سامنے سرنگوں ہو اور اُسے قبُول کرے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر مذاہب میں بھی سچائی پائی جاتی ہے مثلاً خُدا اعلےٰ وارفع اور طاقتور ہے اور انسان کا کام اُس کی اطاعت کرنا ہے، اُسے اپنے دِل میں جگہ دینا اور وُہی تمنّا کرنا جو ایک خُدا پرست کی تمنّا ہوتی ہے لیکن یہیں پر اختلاف ہے کیونکہ مسیحی ایک ایسا انسان ہے جو یہ جانتا ہے کہ خُدا اُس سے محبّت کرتا ہے اور جس کے عوض وُہ بھی خُدا سے محبّت کرتا ہے لہٰذا نیا اور پُرانا عہد نامہ ہر دو ہی اس امر میں مُتفق ہیں کہ "تو خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھ"۔

اور یہ سچائی کسی دُوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ اگرچہ مسیحیت بعض امُور میں دُوسرے مذاہب کے مطابق ہے لیکن بہت سے امُور ایسے بھی ہیں جن میں یہ دُوسرے مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔

خُدا سے محبّت کا مفہوم کیا ہے۔ "تُو خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھ"۔

دراصل اسی بات کے ماننے میں بہت سے لوگ دشواری سمجھتے ہیں مثلاً "میں شاید خدا پر ایمان لے آؤں، اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اُس کی رضا کیا ہے تو میں اُس کی اطاعت کرنے کی بھی کوشش کر سکتا ہوں۔ میں اُس سے خائف بھی رہ سکتا ہوں، لیکن میں کسی ایسی شخصیت سے محبت کس طرح کر سکتا ہوں جسے میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے؟"

خدا سے محبت کرنا انسان کے لئے مشکل امر ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیحیت میں بہت سی باتیں ہیں جن کی تفہیم ہمارے لئے مشکل ہے لیکن یہاں اصل مسئلہ وہ نہیں جو بہت سے لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ محبت کو ایک غلط تصور کی بنیاد پر سوچنا شروع کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ بائبل مقدس کے اس ارشاد کو کہ "خدا سے محبت رکھ" سمجھ نہیں سکتے۔ ہم عام طور پر محبت کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو اُس وقت محسوس ہوتا ہے جب وہ کسی سے "محبت" کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے لیکن محبت کے بارے میں بائبل مقدس کا یہ تصور ہرگز نہیں ہے بلکہ بائبل میں جہاں کہیں "محبت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہاں وہ اُن تمام تعلقات کو محیط کرتا ہے جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ رکھتا ہے اور یہ تعلق انسانی احساسات سے کہیں زیادہ انسان کے ارادے اور نیت سے متعلق ہے۔

اب ہمیں کتابِ مقدس کے اُن احکام کے متعلق ایک بار پھر غور کرنا چاہیئے جن میں خدا سے محبت رکھنے کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ہمیں بتایا

گیا ہے کہ ہم اپنے دِل کی گہرائیوں کے ساتھ خُدا سے محبت کریں۔ یہاں لفظ "دِل" ہی دراصل ہمیں غلط راہ پر ڈال دیتا ہے کیونکہ تمام جدید زبانوں میں "دِل" کا لفظ انسانی جسم کے اُس مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے جہاں احساسات پائے جاتے ہیں لیکن عبرانی زبان میں دِل کا لفظ انسان کی تمام داخلی زندگی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ وُہ تمام حسیات و جذبات جو انسان کو جانور یا پتھر سے ممیز کرتے ہیں 'دِل' کے نام سے موسوم ہیں۔ چُنانچہ انسان کی اس پُوری داخلی زندگی کو خُدا کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ اس داخلی زندگی کو تین علیحدہ علیحدہ حصّوں میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً ہمیں خُدا کے ساتھ ذہنی طور پر محبت کرنی چاہیئے، ہمیں دماغ عطا کیا گیا ہے اور یہ ہمیں اسی لئے عطا کیا گیا ہے کہ اسے کام میں لایا جائے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے دماغوں کے ذریعے خُدا کو پہچانیں اور اُس کی رضا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ خُدا کا خوف ہی دراصل عقل و فہم کی ابتدا ہے۔ ہمیں اپنی ساری قُوتوں کے ذریعہ خُدا سے محبّت کرنی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نیّتیں اور ہمارے ارادے خُدا کی بندگی اور پرستش کے لئے وقف ہوں۔ جس محبّت میں اطاعت اور پرستش شامل نہیں ہوتی، وُہ حقیقی محبت نہیں ہے۔ "اگر کوئی اُس کی مرضی پر چلنا چاہے تو وُہ اُس کی تعلیم کی بابت جان جائے گا۔" (یُوحنا ۷: ۱۷)

"اپنی ساری رُوح کے ساتھ"۔ شاید یہ اشارہ احساسات کی جانب

ہی ہو لیکن انسانی زندگی کے جوشیلے حصّہ کی طرف ضرور ہے۔
اوّل الذکر دونوں باتیں بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر ایک شخص ایمانداری کے ساتھ خُدا کے متعلق تلاش و جستجو کرتا ہے اور اس بات کی بھی کوشش کرتا ہے کہ جو کچھ اُسے خُدا کے بارے میں معلوم ہوا ہے، اُسے اپنی اطاعت، فرمانبرداری اور پرستش کے ذریعے ظاہر کرے تو ایک وقت ضرور آئیگا جب اُس میں صحیح مذہبی احساس پیدا ہونے لگے گا اور اگر یہ احساس پیدا نہ بھی ہو تو بھی ہمیں کسی فکر و اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمیں اس بات کا تو یقین ہو گا کہ ہم خُدا کو اپنی وہ محبت اور پرستش دے رہے ہیں جس کا کہ وہ طلبگار ہے۔

کیا یہ سب خیال آرائی ہے ؟:-
لیکن ہم یہ کس طرح جان سکتے ہیں کہ جس خُدا سے ہم محبت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جس کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ حقیقی خُدا ہے۔ شاید ہمارا خُدا ہمارے اپنے ہی تخیّل کا عکس ہے جیساکہ ایک یُونانی دانشمند نے بہت عرصہ ہُوا کہا تھا کہ اگر گھوڑوں اور کُتّوں کے خُدا ہوتے تو وہ گھوڑوں اور کُتّوں کے ہم شکل ہوتے۔ تو پھر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم نے اپنے لئے بھی اسی قسم کے خُدا گھڑ لئے ہوں جیسے کہ ہم چاہتے ہیں اور جس قسم کے خُداؤں سے ہم محبت کرنے کے متعلق تصوّر کر سکتے ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر کیا ہمارا خُدا بھی بالکل اِن بُتوں کی طرح نہیں ہے، جن کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں۔ اس سوال

پر بحث کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ سوال عام طور سے زمانۂ حال میں کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ جو ہر قسم کے مذہب کو غلط تصوّر کرتے ہیں، خُدا کے وجُود کی تشریح اِسی طرح کرتے ہیں کہ ہر مذہب کا سرچشمہ خُود انسان کی اپنی ذات ہے۔ انسان آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وُہ خُدا کو دیکھ رہا ہے لیکن درحقیقت جو کچھ وُہ بادلوں میں دیکھتا ہے وُہ خُود اُس کے اپنے ہی تصوّر کا عکس ہوتا ہے مسیحی بالخصُوص اور دُوسرے مذاہب کے ماننے والے بالعمُوم خُدا کو باپ کے نام سے موسُوم کرتے ہیں لیکن یہ تخیّل کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟

اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر خاندان میں باپ بڑی اہم شخصیت ہوتا ہے۔ اُس کے بچّے اُس کے بارے میں دو طریقوں سے سوچتے ہیں۔ کبھی اُن کے تصوّر میں وُہ بہت مہربان باپ ہوتا ہے وُہ اُنہیں کھانے، پہننے اور کھیلنے کے لئے اچھّی اچھّی چیزیں دیتا ہے۔ کبھی وُہ ناراض اور غصّہ ور باپ ہوتا ہے جس کے سامنے اُس کے بچّے خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح اگر مذہب کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اس میں جو کچھ ہے اور جو ہمیں بتایا جاتا ہے وُہ ایک بڑے پیمانے پر بالکل وُہی کچھ ہوتا ہے جو چھوٹے پیمانے پر ایک خاندان کی زندگی میں ہوتا ہے:

مذہب میں بھی خدا کا ایک تصوّر تو مہربان باپ جیسا ہے جو اپنے بچّوں کو وُہ سب کچھ دیتا ہے جو وُہ طلب کرتے ہیں جو اُنہیں خُوش و

خرّم اور آرام سے رکھتا ہے اور اُن کے دُشمنوں پر اُنہیں فتح وکامرانی دِلاتا ہے اور دُوسری تصویر ایک ناراض اور برہم خُدا کی ہے جس کی خوشنودی خاطر کے لئے انسان اُسے تحفہ و تحائف اور نذر و نیاز پیش کرتا ہے (خواہ وُہ کسی شکل میں ہوں) لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسے خُدا کے بارے میں ہمیں بتایا جاتا ہے وُہ کہیں نہیں ہے۔ لوگ خود ہی بعض اُمیدیں باندھ لیتے ہیں اور بعض قسم قسم کے خوف و دہشت میں مُبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے اِن احساسات کو بادلوں کے پیچھے چھپا دیتے ہیں اور پھر ان چیزوں کو خود ہی آسمانوں میں تلاش کر کے خُدا کی شکل میں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ خُدا کے وجُود کی جو لوگ اس طرح تشریح کرتے ہیں اُن سے ناراض ہونے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اُن کی اس تشریح میں بھی کافی سچائی ہے مثلاً یہ کہ جو لوگ مسیحی ہیں وُہ بھی خُدا کی ذات کے بارے میں تمام تصورات رکھتے ہیں اور یہ تصورات خُود اُن کے اپنے اذہان ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور اس حقیقت سے ہمارے اس دعوے کی بھی توضیح ہوتی ہے جو ہم پہلے درج کر چکے ہیں کہ دُنیا میں اچھے اور بُرے دونوں طرح کے مذاہب ہیں اور اس امر سے ہماری اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے لئے سچا مسیحی بننا کیوں مشکل ہو جاتا ہے؟ کیونکہ وُہ لوگ خُدا کا ایک خاص تصور قائم کرنے کے بعد اپنی مذہبی زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور پھر اپنے اس تخیلی خُدا کو اُس خُدا پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ہمیں کتاب مقدس رُوشناس کراتی ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک ہی فلم پر دو تصویریں

اُتاریں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی تصویر بھی صاف اور واضح نہیں ہوگی اور ایسے لوگ ہی کہیں گے کہ وہ نہیں بتا سکتے کہ حقیقی معنی میں خدا کس قسم کا ہے۔

## خدا تعالیٰ مسیح کی مانند ہے:۔

ہمارے لئے اس سوال کا جواب یسوع مسیح کی ذات والاصفات میں ہے جو یقیناً ہماری اپنی اختراع نہیں ہے۔ وہ گوشت پوست کے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا رہا۔ اُس نے انسانوں کو تعلیم دی مصیبتیں اُٹھائیں دُکھ جھیلے اور بالآخر مر گئے۔ ہم اُن کے بارے میں خواہ کوئی بھی تخیل قائم کریں اِن حقائق میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہاں ہماری ذات کے علاوہ ایک خارجی شے ہے جس کا ہم حوالہ دے سکتے ہیں۔ یہاں پر ایک ایسا معیار ہے جس کے ذریعہ ہم حق و باطل کو پرکھ سکتے ہیں اور یہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر سچے اور جھوٹے مذہب میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ خدا کی شخصیت کو پہچاننے کے بارے میں ہمیں عام تصورات سے آغاز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں خود اپنے خیالات سے ابتدا نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ہمیں حضور یسوع مسیح کی ذات بابرکات کو سامنے رکھ کر اپنی تلاش و تحقیق کو جاری رکھنا چاہیئے لیکن اگر کوئی ایسا دوست جو مسیحی نہیں، یہ سوال کرے کہ تمہارا خدا کس قسم کا ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہونا چاہیئے کہ آپ خداوند یسوع مسیح کی طرف دیکھیں اور آپ کو خود بخود آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔

---

لہ اسی سلسلہ کی دوسری کتاب میں پاک صحیفوں کی سچائی کے متعلق سوال کا جواب دیا جائے گا۔

آئیے ہم مقدس یُوحنا رسُول کی انجیل کے دو اقوال سے آغاز کریں جن میں ہمارے اس مسئلہ کے دو پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

"خُدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا" (یُوحنا ۱: ۱۸) "جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا" (یُوحنا ۱۴: ۹)۔ "خُدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا" چنانچہ انسان کے لئے خُدا ہمیشہ ایک پُراسرار راز ہی رہیگا۔ ہم اس کے بارے میں خواہ کتنا بھی علم حاصل کر لیں، مگر ہم ہمیشہ یہی محسُوس کریں گے کہ وُہ ہمارے جاننے سے باہر ہے اور وُہ لامحدُود ہماری محدُود عقل سے باہر ہے لیکن اگر یہ صحیح نہ مانا جائے تو پھر خُدا حقیقی معنوں میں خُدا نہیں رہتا بلکہ وُہ ہم میں سے ایک ہوگا جس کی نہ ہم پرستش کر سکیں گے اور نہ ہی اُس سے محبّت کر سکیں گے اور یہ مقام تعجب نہیں کہ انسان اپنے ہم جنس انسان کے متعلق کُلّی طور سے نہیں جان سکتا، یا یُوں سمجھنا چاہیئے کہ خود ہم میں ایسے کتنے لوگ ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اکثر اوقات وُہ لوگ جن کے متعلق ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ہم اُن کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں مگر کبھی کبھی ہمیں اُن کے متعلق یہی پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہمیں معلوم تھا وُہ تو محض اُن کا ظاہر تھا لیکن اُن کے باطن کا ہمیں حقیقتاً کوئی علم نہ تھا۔ علاوہ ازیں ہم خود بھی اپنے وجُود کے بارے میں کس قدر علم رکھتے ہیں؟ غور کیجئے کہ دماغ میں کوئی خیال پیدا ہونے پر آپ کا ہاتھ خود بخود کیوں حرکت میں آتا ہے اور کاغذ پر لکیریں کھینچنے لگتا ہے۔ دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر جب خود اپنی ہی ذات کے بارے میں ہمیں اس درجہ محدُود علم ہے تو ہم یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ

ہم خُدا تعالٰی کے بارے میں ہر بات جاننے کے اہل ہیں۔

لیکن ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم خُدا کے بارے میں لا محدُود علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم خُدا کے متعلّق کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ گو یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے دوستوں تک کو بھی مکمل طور پر نہیں جانتے تاہم ہم اُنہیں تھوڑا بہت تو ضرور جانتے ہیں۔ اسی طرح ہم خُدائے عظیم و جلیل کی مکمّل شخصیت کو تو کبھی بھی نہیں جان سکتے لیکن ہم اُسے یسُوع مسیح کی ذاتِ پاک کے وسیلے سے جسے خُدا نے خود بھیجا ہے پہچان سکتے ہیں:

"خُداوند! باپ کو ہمیں دکھا۔ یہی ہمیں کافی ہے"۔ فلپُّس کی اس درخواست پر یسُوع نے اُسے جواب دیا "جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا"۔ فلپُّس ایک ایسی چیز طلب کر رہا تھا جو اس دُنیا میں کسی انسان کے لئے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص خُدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ فلپُّس کی نیّت گو نیک تھی اور وہ محض اپنے آپ کو خُدا کے بارے میں یقین دلانا چاہتا تھا لیکن اُس نے غلط طریق کار اختیار کیا تھا۔ اُس کا گویا یہ مطلب تھا کہ اگر میں خود خُدا کو دیکھ سکوں گا تب ہی ایمان لاؤں گا اور یہ بات اُس تعلیم کے بالکل منافی ہے جو یسُوع نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے "اگر تم ایمان لاؤ گے تو تم وہ سب کچھ دیکھ سکو گے جسے دیکھنے کی تمہیں تمنا ہے"۔

فلپُّس کی طرح آج بھی دُنیا میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس امر کا یقین آجائے گا اگر یہ باتیں ثابت ہو جائیں لیکن مذہب کی

سچائی کو آپ اس طرح ثابت نہیں کر سکتے، جس طرح یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایک مثلث کے زاویے، دو زاویہ قائمہ کے برابر ہوتے ہیں بعینہٖ ہم آپ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ کے دوست آپ کو کس حد تک پسند کرتے ہیں۔ آپ یہ خیال کر سکتے ہیں اور یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ وُہ آپ کو پسند کرتے ہیں لیکن اس بات کا یقین کس طرح دلایا جا سکتا ہے؟

گو خُداوند یسُوع مسیح نے فلپُّس کو وُہ سب کچھ تو نہیں دیا جو اُس نے طلب کیا تھا تاہم آپ نے اُس کو اس سے بھی بہتر اور افضل شئے عطا فرما دی یعنی آپ نے فلپُّس کو سمجھا دیا کہ ہر وُہ چیز جو امکانی طور پر انسان خُدا کے بارے میں جان سکتے ہیں اور ہر وُہ بات جو اُنہیں خُدا کے متعلق جاننی چاہیئے وُہ حضور یسُوع مسیح کی ذات مبارک میں موجُود ہے اور صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کا ذکر آیندہ کیا جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔ یہاں ہم صرف یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضور مسیح کو جان لینا خُدا کو پہچان لینے کے مترادف ہے ـــــــ اور یہی مسیحی عقیدہ ہے۔

کسی شخصیت کو اس طرح کبھی نہیں جانا جا سکتا جس طرح ہم گھنٹے دو گھنٹے میں سبق رٹ لیتے ہیں۔ اس کے لئے وقت بھی درکار ہے اور صبر و استقلال بھی۔ چنانچہ جو لوگ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ خُدا کے بارے میں مسیحی عقیدہ کیا ہے؟ یا کیا ہونا چاہیئے؛ اُنہیں اس تفہیم کی ابتدا خُداوند یسُوع مسیح کے جاننے سے کرنی چاہیئے اور اُنہیں اتنا وقت اور اتنی توجہ اس مقصد کے لئے وقف کر دینے کو تیار رہنا چاہیئے جتنا کہ ان باتوں کے

مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ :-

حضور مسیح نے کیا فرمایا تھا؟

حضور مسیح نے کیا عمل کیا تھا؟

حضور مسیح کیا تھے؟

حضور مسیح نے کیا کیا دکھ جھیلے تھے؟

نیز اُن کے دوستوں نے اُن کے بارے میں کیا کہا تھا اور کیا لکھا تھا؟
اس کتاب کے قارئین کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہوئے ہوں گے اور ممکن ہے کہ وہ چند جوابات بھی دیں۔ لیکن درحقیقت جس مقصد کے پیش نظر یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، بدرجہ اتم تب ہی پورا ہو سکے گا اگر قارئین خود کتاب مقدس کے مطالعہ کی طرف رجوع کریں اور اُس وقت تک مطالعہ جاری رکھیں جب تک کہ انہیں اُن کے سوالات کا جواب نہیں مل جاتا۔

کتاب ہذا کی ترتیب:۔ خداوند یسوع مسیح ہی ہمارا ابتدائی لفظ ہے لیکن ہمیں خداوند سے پہلے اور اُن کے بعد کے حالات کا بھی جائزہ لینا ہے۔ خداوند یسوع اس دُنیا میں اچانک نہیں آ گئے تھے۔ بائبل میں دو عہد نامے ہیں نہ کہ صرف ایک۔ خداوند تعالیٰ اس دُنیا کو مسیح کی آمد کے لئے ابتدا ہی سے تیار کرتا رہا اور پرانا عہد نامہ اس تیاری کی کہانی ہے لیکن کہانی سے کہیں زیادہ اُن تاریخی صداقتوں اور واقعات سے بھرپور ہے جو کافی عرصہ قبل پیش آئے۔ یہ ایک ایسی زندہ جاوید کتاب ہے جس کا ایک ایک صفحہ اس طور سے لکھا گیا ہے جیسے کہ یہ کتاب کل ہی ضبطِ تحریر میں لائی

گئی ہے۔

جو خُدا عہد نامہ قدیم میں ہم سے مخاطب ہے وُہ وُہی خُدا ہے جس
پر ہم ایمان لائے ہیں اَور یسُوع نے جو عمل پیش کیا ہے اُس سے یہ امر کہیں
بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ کی پیدائش سے پہلے کوئی واقعات ظہور پذیر نہیں ہُوئے
بلکہ آپ نے اس مفروضہ پر عمل کیا کہ جن لوگوں کو وُہ (یسُوع مسیح) مخاطب کر
رہے ہیں، وُہ عہد نامہ قدیم کو نہ صرف جانتے ہی نہیں بلکہ اس پر ایمان بھی رکھتے
ہیں اَور یسُوع نے عہد نامۂ قدیم ہی کو اپنی تعلیمات کی بُنیاد قرار دیا۔ عہد نامۂ
قدیم میں بے شمار وعدے کیئے گئے تھے اور خداوند یسُوع کو معلُوم تھا کہ وُہ ان
وعدوں کی تکمیل کے لیئے بھیجے گئے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم میں خُدا کی حکُومت
کے قیام کی بشارت دی گئی تھی۔ چنانچہ حضُور یسُوع نے اعلان فرمایا کہ
خُدا کی حکُومت خُود اُن کی اپنی ذاتِ والا صفات میں موجُود ہے۔
ایک مسیحی کو پُرانے عہد نامے کا بھی مطالعہ تحمید کی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔
اس میں بھی خُدا کے متعلق بے شمار سچائیاں ابدالآباد تک کے لیئے مجتمع کر
دی گئی ہیں اور عہد نامۂ جدید میں اِن سچائیوں کو تسلیم شدہ حقیقت باور کیا گیا
ہے اور ان کو دوبارہ آزمانے کی ضرُورت بھی نہیں۔ اس کے پیش نظر پُرانا
عہد نامہ ہی وُہ پس منظر ہے جس کے ذریعہ ہم یسُوع کی تعلیم اَور زندگی کو پُورے
طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم کہیں کہیں اِن خیالات پر بھی نگاہ ڈالیں گے جو دُوسرے
مذاہب کے لوگوں نے خُدا کے متعلق ظاہر کیئے ہیں۔ چُونکہ ہم اِن مذاہب میں

کوئی ایسی حقیقت تو نہیں پائیں گے جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں۔ البتہ ان مذاہب پر نظر ڈالنے سے ہمارے ذہن میں نئے نئے سوالات پیدا ہوں گے اور ہماری دلچسپی بڑھے گی۔

تمام مذاہب نے اسی بات پر زور دیا ہے کہ خدا کو جاننے اور پہچاننے کی خواہش، انسان کی ازلی خواہش ہے اور اس کی تکمیل ضروری ہے اور یہی تمام خواہشات تنہا خداوند یسوع کے تجسم میں پوری ہوتی ہیں۔ "ہم اپنے دیگر مذاہب کے دوستوں کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم غلط اور بیکار شے کی جستجو میں سرگرداں ہو اور اس لئے اگر تم اس چیز کو حاصل کر بھی لیتے ہو جس کی تلاش میں ہو تو بھی درحقیقت یہ وہ شے نہیں ہوتی جو انسان کو صحیح معنوں میں گناہ سے نجات دے بلکہ حقیقی خوشی، آزادی، سکونِ قلب اور نجات تمہیں صرف خداوند مسیح میں ہی ملے گی۔ ہاں! یہ نعمتِ دوجہان تم خداوند مسیح میں ہی حاصل کر سکتے ہو"۔

خدا کی الوہیت کے اصول پر سینکڑوں موٹی موٹی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موضوع پر سوچنے اور غور کرنے کے بھی سینکڑوں طریقے ہیں لیکن اس جیسی چھوٹی سی کتاب میں اس موضوع کو سمونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک نہایت ہی سادہ اور صاف طریقہ تلاش کیا جائے۔ نئے عہدنامہ میں خدا اور اس کی ہستی کے متعلق چار نہایت عظیم بیانات پائے جاتے ہیں:

خدا زندگی ہے (یوحنا ۱۴: ۶؛ ۱۱: ۲۵)

خدا نور ہے (۱-یوحنا ۱: ۵)

خُدا محبّت ہے (۱۔ یُوحنّا ۴ : ۸)
خُدا رُوح ہے (یُوحنّا ۴ : ۲۴)

چنانچہ ہمارا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ ہم باری باری سے اِن چار عنوانات پر بائبل مُقدّس کی روشنی میں بحث کریں۔ اس طرح ہم توقع کر سکتے ہیں کہ دَورانِ مُطالعہ ہم اِن سوالات کے جوابات دے سکیں گے جو اس دَور کے بہت سے لوگ خُدا کے بارے میں اُٹھاتے ہیں۔

## کیا ہم فی الحقیقت خُدا کو جاننا چاہتے ہیں؟

اگر ہم مندرجہ بالا کوشش میں کامیاب ہو گئے تو اس کتاب کو شرُوع سے آخر تک ہر پڑھنے والا شخص جان لے گا کہ مسیحیت میں لفظ "خُدا" کا اصل مفہوم کیا ہے لیکن خُدا کو جان لینے کا مطلب، خُدا پر ایمان لانا یا خُدا سے محبّت کرنا ہرگز نہیں ہے۔ ہمیں ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسیحیوں کے خُدا کے متعلق کسی کتاب کا مطالعہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ کوئی تاریخی یا حساب کی نصابی کتاب پڑھنے سے ہوتا ہے بلکہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد انسان کو جواب دینا پڑتا ہے کہ خُدا ہے یا نہیں، اور ہر ایک انسان چاہے نفی میں بھی جواب دے سکتا ہے، بالکل اِس طرح جب خُداوند یسُوع اس دُنیا میں تشریف لائے تھے تو اس دُنیا کے انسانوں کو انتخاب کا حق تھا، بعضوں نے اُن سے اس درجہ محبّت کرنا پسند کیا کہ وہ اُن کی خاطر جان دینے کے لئے بھی تیار تھے اور بعضوں نے اُن سے اس درجہ نفرت کی کہ وہ اپنے لئے دُنیا میں صرف ایک ہی اہم کام انجام دینا

قابلِ فخر سمجھتے تھے اور وُہ کام یسُوع کو قتل کر دینا تھا بعینہٖ یہی صُورتِ حال آج بھی موجُود ہے۔ آج بھی بہُت سے لوگ سچّے خُدا پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے خُدا پر ایمان لانا غالباً بہُت مُشکل مرحلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ درُست ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کے لئے جو چیز واقعی مُشکل ہے وُہ خُدا کی اطاعت ہے کیونکہ خُدا کو تسلیم کر لینے کے بعد ایک انسان کو اپنی زندگی میں اتنی اہم تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں جو کبھی اُس کے تصوّر میں بھی نہیں ہوتیں اور یہ مسئلہ صرف دماغ ہی سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے قوّتِ ارادی کی ضرُورت ہوتی ہے۔ چُنانچہ ایک مسیحی مبلّغ اپنے سامعین سے سب سے پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ کیا وُہ حقیقتاً خُدا کو جاننا اور پہچاننا چاہتے ہیں؟ اگر مذکورہ سامعین اس سوال کا جواب پُورے تیقّن سے نہیں دے سکتے تو پھر اگر خُدا کی تلاش وجُستجُو کے سِلسلہ میں وُہ ناکام ہوں تو اُنہیں اِس پر کوئی تعجّب نہیں کرنا چاہیئے۔

بھارت میں ایک بہُت پُرانا اور بڑا مشہور قصّہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان جسے خُدا کی تلاش تھی ایک سادھو کے پاس گیا جو دریا کے کنارے بیٹھا تھا۔ اُس نے اُس سے پُوچھا کہ وُہ خُدا کو کس طرح جان سکتا ہے؟ سادھو نے اُس سوال کے جواب میں اُس نوجوان کو پکڑ کر دریا میں دھکیل دیا اور اُسے اس حد تک گہرے پانی میں لے گیا کہ وُہ ڈوبنے لگا۔ جب وُہ نوجوان چیخنے لگا تو سادھو نے اُسے چھوڑ دیا۔ پانی سے باہر آکر نوجوان نے سادھو سے پُوچھا کہ اُس نے اُس کے ساتھ ایسا سلُوک کیوں کیا تھا؟ سادھو نے

جواب دیا کہ جس طرح پانی کے اندر تمہیں ہوا کی شدید ضرورت محسوس ہوئی تھی، اِسی طرح جب تمہیں خُدا کی اتنی ہی شدید خواہش محسوس ہو گی تو اُس وقت تم اُسے جان جاؤ گے۔

دُنیا کے بہُت سے بڑے لوگوں نے جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، خُدا کے بارے میں لکھا ہے کہ اُسے پہچان کر اور اُس سے محبت کرنے کے بعد جو خوشی اُنہیں حاصل ہوئی ہے وہ بے پایاں ہے۔ جب ہم اس قسم کے بیان پڑھتے ہیں تو ہمیں بڑا تعجب ہوتا ہے اور ہم سوچنے لگتے ہیں کہ کیا یہ باتیں واقعہ میں درست ہیں اور کیا یہ محض الفاظ کا فریب تو نہیں ہے؟ کیا انسان خُدا کو پہچان سکتا ہے؟ اور کیا یہ تجربہ کسی عام شخص کو بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ غالباً اس کا جواب یہ ہے کہ صرف برگزیدہ ہستیاں ہی اس طرح خُدا کو جان سکتی ہیں کیونکہ اُن میں خُدا کو جاننے کے لئے بے پناہ خواہش ہوتی ہے۔

"اَے خُدا! تُو میرا خُدا ہے۔ مَیں دِل سے تیرا طالب ہُوں گا۔ خشک اور پیاسی زمین میں جہاں پانی نہیں میری جان تیری پیاسی اور میرا جسم تیرا مشتاق ہے۔" (زبور ۶۳: ۱)

جیسے ہرنی پانی کے نالوں کو ترستی ہے۔ ویسے ہی اَے خُدا میری رُوح تیرے لئے ترستی ہے۔ میری رُوح خُدا کی، زندہ خُدا کی پیاسی ہے مَیں کب جا کر خُدا کے حضور حاضر ہوں گا۔" (زبور ۴۲: ۱-۲)

خُدا خود اُن لوگوں کی تلاش کرتا ہے جو اُس کی تلاش کرتے ہیں۔

خُدا کے ایک ایسے طالب علم کو جو حقیقتاً خُدا کو ڈھونڈنا چاہتا ہے اس بات کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وُہ خُدا کی تلاش کی مُہم میں تنہا ہے اور اس مہم میں خُدا خُود اُس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ہمیں جب خُدا کی تلاش ہو تو اس بات کا بھی یقین ہونا چاہیئے کہ خود خُدا کو بھی ہماری تلاش ہے۔ بائبل مقدس کے مطالعہ سے ہم پر بار بار اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ خُدا جیسا کہ کتاب مقدّس میں اُس کی صفات بیان کی گئی ہیں، خُود انسانوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ وُہ اپنے وجُود کو انسانوں پر مُنکشف کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ہم اُس کی تلاش میں نکلتے ہیں تو ہم یہ جانتے ہیں کہ وُہ ہماری اس تلاش و جستجُو سے خوش ہے اور ہم اپنی تلاش میں بڑے پُر اُمید اور عاجزانہ طریق پر اُس کی مدد کے لئے درخواست کر سکتے ہیں۔

اَے خُدا۔ تُو نے اپنے محبّت کرنے والے بندوں کے لئے بیش بہا نعمتیں مہیا فرمائی ہیں جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں۔ ہمارے دلوں میں اپنی محبّت کا ایسا سرچشمہ انڈیل کہ ہم باقی تمام چیزوں سے بڑھ چڑھ کر تجھ سے محبّت کریں اور اس طرح تیرے وعدوں کے مطابق اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کو بروئے کار لائیں۔

# باب دوم

## خُدا زندگی ہے

### خُدا ہم سے تقرّب کرتا ہے:-

زبور نویس فرماتا ہے کہ "میری رُوح خُدا کی، زندہ خُدا کی پیاسی ہے"۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ خود بائبل مقدس نے بھی خُدا کو زندہ جاوید خدا ہی قرار دیا ہے کیونکہ مُردہ خدا انسان کے کسی کام میں نہیں آسکتا۔ خُدا واقعی حاضر و ناظر ہے اور اس امر کا ہمیں قطعاً یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ زندہ اور پائندہ ہے اور درحقیقت یہ سچ بھی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار بائبل مقدس کے کئی حصص میں پایا جاتا ہے نئے اور پُرانے دونو عہد ناموں میں جگہ بہ جگہ خُدا کو حی القیوم کہا گیا ہے۔ یہ لفظ یہودی مصنفین کو بھی بے حد پسند تھا کیونکہ یہ لفظ خُدا کی ایک ایسی صفت کا مظہر ہے جس کا جاننا ہمارے لئے لابدی ہے۔ خُدا کے لئے یہ صفت ایسی ہے جس کے ذریعے ہم اُسے ایک باعمل اور متحرک شخصیت کے رُوپ میں پہچانتے ہیں کیونکہ خُدا ایک تصور ہی نہیں ہے جس کے بارے میں ہم صرف سوچ سکتے ہیں بلکہ وہ اس کائنات کی حیات کا سرچشمہ ہے اور وہ اس دُنیا میں جو بھی

عمل کرتا ہے اُس کے ذریعے انسانوں پہ اپنی زندہ و پائندہ زندگی کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ وہ اس کا خاموش اور مُعطّل مرکز نہیں ہے جس کی جانب ہم کھنچے چلے جاتے ہیں، بلکہ وہ ایک ایسی عظیم شخصیت ہے جو خود ہماری طرف آتی ہے۔ ہم سے سوال کرتی ہے اور ہم سے اپنی اطاعت اور بندگی کا مطالبہ کرتی ہے جو ہمیں ضرور پورا کرنا چاہیئے۔

بائبل مقدس میں بہت جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ خدا یوں ہے اور یوں ہے لیکن اکثر و بیشتر ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔ کتابِ مقدس کی چند اولین آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ خدا نے جہان کو پیدا کیا، خدا نے یہ کہا، خدا نے یہ دیکھا، خدا نے یہ بنایا وغیرہ۔ بعض لوگوں کو خدا کے متعلق اس قسم کے اندازِ بیان پہ اعتراض ہے۔ اُن کے نزدیک یہ اندازِ بیان بالکل انسانی ہے۔ جو لوگ شاکی ہیں وہ اسے "مذہبِ تشبیہہ" کہہ سکتے ہیں جس کا مفہوم یونانی میں یہ ہے کہ "انسانی محاورات میں الٰہی بیان" یعنی خدا اس طرح کلام کرتا ہے جیسے کہ وہ خود انسان ہے۔ لیکن بائبل کے ملہم کو اس نوع کے طرزِ تخاطب میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں ہم جگہ جگہ یہی اندازِ بیان دیکھتے ہیں اور اس سے ہمیں کوئی تعجب نہیں ہے۔ ہم انسان ہیں اور انسانوں ہی کی زبان میں بات چیت کر سکتے ہیں، اس لئے اگر خدا چاہتا ہے کہ انسان اُسے پہچانیں تو اُسے اس انداز میں مخاطب ہونا چاہیئے جو اندازِ تخاطب انسانوں کی سمجھ میں آ سکے اور اُس کے بارے میں جو کچھ

کہا جائے وُہ انسانوں ہی کی زبان میں کہا جانا چاہیئے۔

یہی دستورِ خُدا کے دو نہایت گہرے تصوّرات کی جانب رہبری کرتی ہے۔ پیدائش کی کتاب میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ "خُدا نے انسان کو اپنی صُورت پر پیدا کیا۔ خُدا کی صُورت پر اُس کو پیدا کیا۔" (پیدائش ۱: ۲۷) اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وُہ خُدا ہے اور ہم اُس کی مخلوق ہیں لیکن پھر بھی وُہ ہمارے لئے اور ہم اُس کے لئے اجنبی نہیں ہیں بلکہ وُہ ہم سے اور ہم اُس سے براہِ راست تعلق اور واسطہ رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یسُوع مسیح کے رُوپ میں خُدا خُود اس زمین پر آیا تھا اور اُس نے یہاں انسانوں کی طرح زندگی بسر کی تھی تاکہ وُہ داخلی طور پر انسانی زندگی کو اچھی طرح جان سکے۔ چنانچہ اگر ہم خُدا کے متعلق انسانوں کی زبان اور طرزِ بیان میں بات چیت نہیں کر سکتے تو پھر ہمارے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہو سکتے ہیں کہ کیا ہم اُس کے بارے میں کوئی ایسی بات جو واقعہ کے مطابق ہو کہہ سکتے ہیں؟ کیا ہم اُس کے بارے میں کوئی علم و ادراک حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

یہی نتیجہ چند دُوسرے بڑے مذاہب نے بھی اخذ کیا ہے مثلاً ہندو مذہب کا عقیدہ کہ جو کچھ آپ خُدا کے بارے میں کہتے اور سمجھتے ہیں ویسا وُہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہندو مت کے تصوّرات کی آخری کڑی "نیتی نیتی" یعنی یہ ایسا نہیں، ایسا نہیں پر ختم ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جو سچائی اور حقیقت پر مبنی ہو۔ جو

لوگ اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں اُنہیں اس مسئلہ پر اس طرح سوچنے کی دعوت دی جا سکتی ہے کہ اگر ہم خُدا کے بارے میں سب کچھ نہیں جان سکتے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس کے بارے میں بالکل نہیں جان سکتے اور کیا اگر ہم اُس کے بارے میں مکمل طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس کے بارے میں سِرے سے کوئی بات کر ہی نہیں سکتے اور کیا اُس کے بارے میں ہم جو کچھ کہتے اور سُنتے ہیں وُہ سب غلط اور فرضی ہے؟ بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دراصل جب ہم خُدا کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم اُس آدمی کی طرح بات کرتے ہیں جو ایک غیر مُلکی زبان بول رہا ہو اور اُس غیر مُلکی زبان میں اگرچہ اُس شخص کو اپنا مفہوم ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے اور وُہ اس زبان میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے وُہ اس طرح نہیں کہہ سکتا جیسا کہ وُہ شخص کہہ سکتا ہے جس کی وُہ مادری زبان ہے، پھر بھی ایک غیر مُلکی زبان میں رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور دو غیر مُلکی افراد ایک دُوسرے کو اپنا مافی الضمیر سمجھا سکتے ہیں اور ایک دُوسرے کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ بالکل اِسی طرح ہم خُدا کے بارے میں جب بولتے ہیں تو جو الفاظ ہم اُس کے متعلق استعمال کرتے ہیں وُہ اگرچہ اُس کی بڑائی، عظمت اور جلال کے بیان میں مختصر اور ادنیٰ ہوتے ہیں لیکن یہ الفاظ بہرحال اُس مفہوم کو ضرور ادا کر دیتے ہیں جو خُدا کے بارے میں بالکل دُرست ہوتا ہے اور جس کا جاننا ہمارے لئے ازبس ضروری ہوتا ہے۔

**خُدا کے قضا و قدر:۔** اب ہم اس سوال پر غور و فکر کریں گے کہ

یہودی خُدا کو زندہ خُدا کے لقب سے کیوں موسُوم کرتے ہیں۔ یہودیوں نے دراصل اپنے خُدا یعنی حقیقی خُدا اور جھُوٹے خُداؤں (جو لکڑی اور پتھر کے تراشیدہ بُتوں پر مُشتمل تھے) کا موازنہ کیا ہے۔ اُنہوں نے دعوے کیا کہ بُت حقیقتاً کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ نہ تو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ اور نہ یہ کسی کو بچا سکتے ہیں۔ چنانچہ نبی نے ان جھُوٹے خُداؤں کے لئے فرمایا کہ وُہ کچھ کر کے دکھائیں۔ "وُہ اُن کو حاضر کریں تاکہ وُہ ہم کو ہونے والی چیزوں کی خبر دیں۔ ہم سے اگلی باتیں بیان کرو کہ کیا تھیں تاکہ ہم اُن پر سوچیں اور اُن کے انجام کو سمجھیں یا آئندہ کو ہونے والی باتوں سے ہم کو آگاہ کرو۔" (یسعیاہ ۴۱: ۲۲)

نبی نے بڑی تحقیر کے ساتھ ان خُداؤں کا ذکر کیا ہے جو اپنے آپ کو حرکت بھی نہیں دے سکتے۔ "وُہ سُنار کو اُجرت پر لگاتے ہیں اور وُہ اُس سے ایک بُت بناتا ہے، پھر وُہ اُس کے سامنے جھُکتے بلکہ سجدہ کرتے ہیں۔ وُہ اُسے کندھے پر اُٹھاتے ہیں۔ وُہ اُسے لے جا کر اُس کی جگہ پر نصب کرتے ہیں اور وُہ کھڑا رہتا ہے۔ وُہ اپنی جگہ سے سرکتا نہیں بلکہ اگر کوئی اُسے پکارے تو وُہ نہ جواب دے سکتا ہے اور نہ اُسے مُصیبت سے چھُڑا سکتا ہے۔" (یسعیاہ ۴۶: ۶-۷) چنانچہ مذکورہ خُدا باطل خُدا ہے اور حقیقی خُدا وُہ ہے جو ہر جگہ موجُود ہے، سُنتا ہے، جواب دیتا ہے اور دُوسروں کو اُن کی مُصیبتوں سے نجات دلاتا ہے۔

اسی طرح حیّ القیوم کا تصوّر، یُونانیوں کے خُدا کے تصوّر سے

بھی قطعی جُداگانہ ہے۔ یُونان میں خُدا کا تصوّر یہ ہے کہ وُہ کوئی عمل نہیں کرتا، البتہ وُہ ہر شے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

یُونانیوں سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں کون سی بہترین اور بلند ترین شے ہے جس کا انسان اہل ہے تو وُہ برجستہ جواب دیتے ہیں کہ "خیال" ——— کیونکہ اُن کے نزدیک جہاں تک عمل کا تعلق ہے وُہ صرف انسانوں سے مخصُوص ہے عمل یا کام صرف وُہ لوگ کرتے ہیں جنہیں کوئی احتیاج یا ضرُورت ہوتی ہے اور خُدا چُونکہ مکمل ہستی ہے اس لئے اُسے کسی عمل کی ضرُورت نہیں ہے اور اس طرح وُہ خُدا کو ایک مکمل مفکّر کی حیثیت دیتے ہیں اور اُن کے نزدیک چُونکہ ایک مکمل مفکّر صرف مکمل چیزوں کے بارے میں ہی غور و فکر کر سکتا ہے اس لئے خُدا اس نامکمل دُنیا کے متعلق ہرگز نہیں سوچتا۔ وُہ صرف اپنے متعلق سوچتا ہے۔ اس سلسلہ میں یُونان کے مشہور مُفکّر ارسطو نے چار سو سال قبل از مسیح کہا تھا کہ خُدا کو کوئی خواہش نہیں ہے۔ اُس نے دُنیا کی طرف سے اپنی پیٹھ موڑ لی ہے۔ پھر بھی چُونکہ تمام اشیاء اپنی صلاحیت کے مطابق بلندی کی طرف پرواز کرتی ہیں، اس لئے تمام اشیا خُدا کی طرف ہی رجُوع کرتی ہیں لیکن ارسطو کے اس قول کے بموجب جو "خُدا" تصوّر میں آتا ہے، وُہ خُدا ایسا خدا نہیں جو سُن سکتا ہو، جو جواب دے سکتا ہو یا جو دُوسروں کی حفاظت کر سکتا ہو۔ یہی وُہ مقام ہے جہاں سے یُونانی اور یہودی خُدا کے تصوّر کے بارے میں علیحدہ علیحدہ راہیں

اختیار کرتے ہیں۔ یونانی کہتے ہیں کہ عمل عدم تکمیل کی نشانی ہے۔ ہم جتنے زیادہ مکمل ہوتے جائیں گے اُتنے ہی معطل ہوتے جائیں گے۔ یہودیوں کا خیال ہے زندگی تمام تر اپنے آپ کو عمل میں ہی ظاہر کرتی ہے اور زندگی جتنی زیادہ مکمل ہوگی اُتنے ہی اُس کے اعمال مکمل ہوں گے اور حقیقی معنی میں مکمل عمل خُدا کا عمل ہوتا ہے۔

ہم یونانیوں سے بہت سی چیزیں سیکھتے ہیں لیکن جہاں تک خُدا کے بارے میں اصُول وضع کرنے کا تعلق ہے ہمیں یہودیوں سے سبق حاصل کرنا پڑے گا۔ وُہ سبق جو خُدا نے اُنہیں اپنے بارے میں سکھایا ہے اور جو پُرانے اور نئے عہدنامے میں درج ہے۔

## تخلیق کا مفہوم

بائبل مقدس کے بیان کے مطابق سب سے پہلا الٰہی عمل تخلیق ہے۔ سب سے پہلے خُدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا (پیدائش ۱:۱)۔ یہ ایک ایسا دعوٰے ہے جسے ہم اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے بلکہ انتہائی سادہ لوح لوگ بھی اس موضوع پر سوال کرتے ہیں کہ "دُنیا کہاں سے آئی" اور پھر جواب دیا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی نے اِسے ضرور بنایا ہے لیکن بنانے کا لفظ خلق کرنے کے ہم معنی نہیں ہے۔ مثلاً ایک بڑھئی میز بناتا ہے مگر یہ میز اُس کی تخلیق نہیں ہے کیونکہ لکڑی تو پہلے سے موجود ہے۔ وُہ صرف اتنا کرتا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑوں کو ایک دوسری شکل میں منتقل کر دیتا ہے۔ ہمیں اس قسم کا کوئی تجربہ نہیں ہے کہ بغیر کسی چیز کے کوئی چیز بنا لیں اور بغیر کسی

چیز کے کسی چیز کو بنا لینا ہی تخلیق ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دُنیا خُدا نے خلق کی ہے تو اس سے یہ مُراد ہے کہ ایک زمانہ تھا جب خُدا کی ذات کے سوا کوئی اَور چیز نہیں تھی۔ اس کے بعد خُدا نے دُنیا کو خلق کیا اَور بعد ازاں خُدا اَور دُنیا تھی۔

ہم اس بات کو اچھی طرح اس لئے نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں اس قسم کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ ہم نے اس طرح کبھی کوئی چیز نہیں بنائی۔ پھر بھی کبھی کبھی ہم اس مسئلہ کو سمجھنے کے قریب تک ضرور پہنچ جاتے ہیں اَور جو شخص تخلیق کی سطح کے قریب تر آجاتا ہے وُہ نغمہ ساز ہے۔ وُہ نغمہ گانے سے پہلے کہاں تھا؟

ہوا کی موجُودگی، نغمہ ساز کے ہونٹ اَور دماغ اَور کاغذ پر مُختلف آوازوں کے نشان، جنہیں صوتی نشان کہا جاتا ہے۔ لیکن جب نغمہ پھُوٹتا ہے تو خُود نغمہ نواز کو بھی نغمہ کے وجُود کا اُسی وقت پتہ چلتا ہے اَور اُسے احساس ہوتا ہے کہ اُس نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے جس کا پہلے کبھی وجُود نہیں تھا۔۔۔ انسان سب سے زیادہ مسرت کس وقت محسُوس کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس وقت وُہ کسی چیز کی تخلیق کے قریب تر ہوتا ہے۔ غالباً تخلیق میں خُدا کی مسرت کا بھی ایک جُز ہے اَور اس طرح ہم اس سوال کا جواب بھی پا لیتے ہیں کہ خُدا نے اس دُنیا کو کیوں تخلیق کیا۔

دُنیا کو عالمِ وجُود میں لانے کے متعلق اگر ہم دُوسرے نظریات کو بھی

زیرِ غور لائیں تو ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ مسیحی ہونے کی حیثیت سے ہمیں کیوں تخلیق کے تصور پر ضرور یقین رکھنا چاہیئے۔ یونانی قوم اپنی تمام دانشمندی اور فکر و خیال کی گہرائی کے باوجود تخلیق کے تصور تک نہیں پہنچ سکی۔ اہلِ یونان عام طور پر یہ خیال رکھتے ہیں کہ مادہ ازلی تھا اور دُنیا کی تخلیق میں خُدا کا کام صرف اتنا رہا ہے کہ اُس نے مادے کو ایک شکل دے دی ہے۔ لیکن اس طرح ہمیں ایک خُدا کی بجائے دو خُداؤں کو ماننا پڑتا ہے اور بعض مذاہب میں بھی (بالخصوص پارسی مذہب) دو خُداؤں کے تصور کی بُنیاد پائی جاتی ہے جن کے درمیان ایک مُستقل دُشمنی (رقابت) کی سی حالت کار فرما ہے۔

پھر بعض دیگر اقوام کا خیال ہے کہ خُدا نے اس دُنیا کو خُود اپنی ذات کے ایک حصّہ سے بنایا ہے۔ بعض اقوام کا خیال ہے کہ عالمِ موجُودات کی ہر شے بجائے خُود خُدا ہے یا خُدا کا حصّہ ہے۔ یُوں ایک ہندُو نہایت دیانتداری سے یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ مَیں خود خُدا ہُوں۔ اُس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وُہ اپنی ذات میں تمام و کمال خُدا ہے۔ البتّہ اُس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ عالمِ موجُودات خُدا ہے اور وُہ اُس کا ایک حصّہ ہونے کی حیثیت سے خُدا کا حصّہ ہے۔

ایک مسیحی یہ کہتا ہے کہ "ہر چیز خُدا پہ مُنحصر ہے"۔ وُہ یہ نہیں کہتا کہ ہر چیز بجائے خُود خُدا ہے کیونکہ یہ فلسفہ تو اچھائی اور بُرائی میں فرق و امتیاز کو تباہ کر دیتا ہے۔ سب سے بڑی حقیقت خود انسان کے اپنے دِل میں نیکی اور بدی کے درمیان جنگ ہوتی ہے، لہٰذا بدی کو بالکل اُسی طرح خُدا کی

ذات سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا جس طرح ہم نیکی کو خُدا کی ذات کا جُزو تصوّر کرتے ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خُدا نے اس دُنیا کو بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خُدا نے اس دُنیا کو بنا کر چھوڑ دیا ہے کہ جیسے چاہے چلتی رہے۔ بعض لوگ اس کے متعلق یہی تصوّر رکھتے ہیں کہ خُدا بھی ایک ایسے انسان کی طرح ہے جو اپنی گھڑی میں چابی بھر کر اتنی مدّت کے لئے چھوڑ دیتا ہے جتنی مدّت کے لئے اُسے بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ چلتی رہے گی۔ لیکن بائبل مقدّس ہمیں سکھاتی ہے کہ خُدا نے اس دُنیا کو پیدا کیا ہے۔ اُس نے دُنیا کو دیکھا اور اُسے بہت اچھا پایا۔ بلاشُبہ اس دُنیا میں بُرائی بھی داخل ہو گئی لیکن اس کے باوجود بھی یہ خُداوند تعالےٰ کی اپنی اچھی دُنیا ہے جس کی وُہ حفاظت کرتا ہے اور جس سے وُہ محبّت کرتا ہے (یُوحنّا ۳: ۱۶)۔

خُداوند یسُوع فرماتا ہے کہ "میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہُوں" (یُوحنّا ۵: ۱۷) خُدا تعالےٰ دُنیا میں ہر وقت مصروفِ عمل ہے یہ صرف اُسی کے وسیلے اور حفاظت کا نتیجہ ہے کہ دُنیا کی گردش کے ہر لمحہ اور ہر لحظہ پر اُس کی نظر ہے —— "کیونکہ اُسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں"۔ (اعمال ۱۷: ۲۸)

## خُدا قادرِ مُطلق ہے۔

دُنیا میں خُدا تعالےٰ مصرُوفِ عمل ہے اور دُنیا پر اُسی کی حکمرانی ہے۔ اس دُنیا میں کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کہ اُس کے قبضہ و اختیار میں

نہیں۔ وہ اس دُنیا میں جو خود اُسی نے بنائی ہے، ہر عمل پر قادر ہے۔ وہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش نہیں کرتا جس میں بدی ہو یا جو اُس کے سابقہ عمل کے منافی ہو۔ اس سلسلے میں بعض لوگ اس قسم کے سوالات کرنا بڑی دانشمندی سمجھتے ہیں مثلاً کیا خُدا کوئی ایسی چیز بھی بنا سکتا ہے جو بیک وقت اُس سے بڑی بھی ہو اور چھوٹی بھی؟ یا کیا خُدا ایسا کپڑا بنا سکتا ہے جو بیک وقت سارے کا سارا سفید بھی اور سیاہ بھی ہو۔ اس قسم کے الفاظ کو یکجا کر کے سوال کر دینا تو بہت آسان ہے لیکن کیا حقیقتاً اس قسم کے جملوں کا کوئی مفہوم بھی ہوتا ہے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص مجھ سے یہ سوال کرے کہ تم نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ہے جبکہ میری کوئی بیوی ہی نہیں۔

جب ہم خُدا کو قادرِ مطلق مانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر کام جس کے لئے اُس کی خواہش اور مرضی ہے کر سکتا ہے یا جو کام وہ اس دُنیا کے لئے جو اُسی نے بنائی ہے ضروری سمجھتا ہو۔ وہ اگر چاہے تو کوئی دوسری دُنیا بھی تخلیق کر سکتا ہے لیکن وہ یہ ہرگز نہیں کرے گا کہ اس دُنیا کا بنیادی نظام ہی بدل دے۔

ایک اور بہت پرانا سوال ہے جو ہمیشہ ادل بدل کر لیا جاتا ہے، یہ ہے کہ اگر اس دُنیا کا فی الواقعہ خُدا حکمران ہے تو پھر وہ اس دُنیا میں بھونچال، آندھیاں، طوفان اور وبائیں کیوں آنے دیتا ہے؟ اور اگر خُدا اس قسم کی چیزوں کو نہیں روک سکتا تو پھر وہ قادرِ

مُطلق نہیں ہے۔ اور اگر وُہ روک سکتا ہے لیکن دانستہ نہیں روکتا تو پھر وُہ ایک اچھّا خُدا نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے سوالات غلط طریق پہ کیئے جاتے ہیں۔ صحیح سوال یہ ہو سکتا ہے کہ خُدا نے ایک پُر از خطرات قسم کی دُنیا بنانا کیوں پسند کیا؟

لیکن اس سے بھی پیشتر ہم ایک اور سوال کرتے ہیں کہ خُدا نے ایک ایسی دُنیا کیوں بنائی جس میں مردوں اور عورتوں کو موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔

دراصل ہماری یہ دُنیا ہمیشہ ہی خطرناک قسم کی دُنیا بنی رہے گی۔ یہ کرۂ ارض رفتہ رفتہ سرد ہوتا جا رہا ہے اور اس کی سطح سُکڑتی اور چٹختی جا رہی ہے اور اس بات کا خطرہ بھی ہمیشہ سے موجُود ہے کہ اس زمین کے اندرونی حِصّوں میں بھڑکتی ہُوئی آگ کسی وقت بھی باہر نکل کر اس کی سطح کو خاکستر کر سکتی ہے۔ چُنانچہ اگر ہم ایک خطرے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو فوراً ہی دُوسرا خطرہ ہمیں دبوچ لیتا ہے — موجودہ زمانے میں ہم بہُت سی مُہلک بیماریوں کا مؤثر علاج کرنے کے قابل ہو گئے ہیں جس کے نتیجہ میں اب دُنیا کی آبادی بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے اور اب یہ خطرہ پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ کیا ہم اس بڑھتی ہُوئی آبادی کے لیئے اس دُنیا میں وافر خوراک بھی پیدا کر سکیں گے؟ — اس لحاظ سے اگر خُدا نے اس دُنیا کو اور اس دُنیا کے انسانوں کو کسی مقصد کے پیشِ نظر تخلیق کیا ہے تو وُہ مقصد صرف ایک ہی

ہے جو ایسی صُورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے کہ ہماری زندگی مُختصر اور پُر از خطر ہو۔ خُدا نے ہمارے لئے خطرات اور مصائب میں عبرتیں پوشیدہ کر رکھی ہیں۔ خُدا کا مقصد اس دُنیا کی تخلیق سے کیا ہے؟

اس مسئلہ پر ہم اس باب کے آخر میں بحث کریں گے۔ فی الحال صرف یہی یاد رکھنا کافی سمجھئے کہ کلامِ مقدّس کے بیان کے مطابق خُدا ہمیں کسی مُصیبت کے لئے اس کی تلافی کئے بغیر تنہا نہیں چھوڑ دیتا ہے۔ یسُوع مسیح کے تجسّم میں اُس نے اس خواہش کو واضح کر دیا ہے کہ وُہ انسانوں کے مصائب اور مُشکلات میں ان کا شریک رہنا اور ان کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وُہ ہم پر یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ ہم پر یہ آفت یا مُصیبت کس وجہ سے ہے اور اسے دُنیا میں کیوں داخل ہونے دیا جاتا ہے۔

## دُنیا کس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے؟

اگر یہ سچ ہے کہ دُنیا کسی مقصد کے تحت تخلیق کی گئی ہے تو پھر اس کُرۂ ارض پر انسانوں کی پُوری تاریخ بھی کوئی مفہوم اور مطلب رکھتی ہے کیونکہ دُنیا کی تخلیق کے مقصد سے اس کا کُچھ نہ کُچھ تعلق ہونا چاہیئے۔ یہاں ہم مسیحیت اور دُوسرے مذاہب کے درمیان ایک فرق دیکھتے ہیں۔ ہندو مذہب کے نقطۂ نگاہ سے اس دُنیا میں جو کُچھ ہوتا ہے وُہ بے معنی ہے اور یہ دُنیا بالکل غیر حقیقی ہے یہ سب کُچھ مایا کا جال ہے۔ یونانیوں کا خیال ہے کہ تمام چیزیں ایک بڑے دائرے میں گردش

کر رہی ہیں اور انجام کار وہ سب کی سب اس نقطہ پر آ جائیں گی جہاں سے ان کی گردش شروع ہوئی تھی۔ یہ کائنات ایک بار جل کر خاکستر ہو جائے گی اور پھر دوبارہ تخلیق کی جائے گی اور پھر تمام چیزیں پہلے کی طرح نقطۂ آغاز سے شروع ہوں گی، بڑھیں گی اور اسی طرح گردش کریں گی جس طرح پہلے کرتی تھیں اور زندگی کے اُن مدارج سے جن سے پہلے گذری تھیں اور یہ سلسلہ انجام کو پہنچے بغیر یونہی جاری رہے گا، لیکن مسیحی عقیدے کے مطابق خدا نے انسانی تاریخ کو ایک دائرے کی شکل میں جنم نہیں دیا ہے بلکہ یہ ایک شاہراہ کی طرح ہے جو کسی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ انسانی تاریخ کی اس شاہراہ کے بالکل وسط میں یسوع مسیح کی حیات و موت ایستادہ ہے جو اس تاریخ کو معنی اور مفہوم عطا کرتی ہے اور اسی سبب سے بائبل مقدس تاریخی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اب سے پہلے اس دُنیا میں جو کچھ گذر چکا ہے وُہ اس مقصد کے تحت تھا کہ دُنیا کو خداوند یسوع مسیح کی پیدائش کے لئے تیار کیا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقصد کا منصوبہ صدی بہ صدی محدُود ہوتا چلا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلا آدمی تمام خلقت میں سے چُنا گیا اور پھر اُن لوگوں میں سے ایک حصہ انتخاب میں لایا گیا اور پھر اُس حصہ میں سے صرف ایک گروہ اور بالآخر یسوع مسیح بذاتِ خود خدا تعالےٰ کے اس مقصد اور منصوبہ کے لئے چُنا گیا اور پھر مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے (قیامت) کے بعد سے یہ منصوبہ بتدریج بڑھتا

گیا۔ یہ کام خداوند مسیح اور اُس کے چند شاگردوں کے چھوٹے سے گروہ سے شروع ہُوا لیکن بتدریج بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا اور یہ اُس وقت تک اسی طرح بڑھتا، پھلتا اور پھولتا رہے گا حتّٰی کہ خدا کا پاک کلام دُنیا کی سرحدوں تک تمام قوموں کے درمیان پہنچا دیا جائے گا اور دُنیا کی ساری قومیں اس منصوبہ کے تحت لائی جا سکیں گی لیکن اب یہ ہمارا اور مجموعی طور پر کلیسیا کا فرض ہے کہ وہ پاک کلام کو دُنیا کے ہر ایک حصّہ کے ایک ایک فرد تک پہنچائے۔

اگر دُنیا کی ابتدا تھی تو اس کی انتہا بھی ضرور ہے اس لئے کہ ہر آغاز کا انجام بھی ضرور ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے مقصد کی یہ لکیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیدھی ہی نہیں چلی جاتی بلکہ کسی جگہ جا کر رُکتی بھی ہے۔ کیا ہمارے اذہان میں اپنی منزل کے بارے میں کوئی تصوّر ہے۔ "خدا نے ابتدا میں زمین اور آسمان کو پیدا کیا"۔ بائبل مقدس کے یہ الفاظ "زمین اور آسمان" جہاں جہاں بھی درج ہیں ان کا مطلب ہر جگہ ہے کہ وہ چیزیں جو پیدا کی گئیں تھیں ایک مدّت دراز کے بعد ختم ہوں گی کیونکہ انہیں ابدیت اور ہمیشہ کی پائداری نہیں عطا کی گئی۔ بالآخر یہ چیزیں ختم ہو جائیں گی جیسا کہ خداوند یسوع نے فرمایا ہے کہ "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (متی ۲۴: ۳۵)۔ ۲ پطرس ۳: ۱۰ میں دُنیا کے انجام کی بڑی ہی ہیجان خیز تصویر پیش کی گئی ہے۔ "اُس دن آسمان بڑے شور و

غُل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے اور اجرامِ فلک حرارت کی شدت سے پگھل جائیں گے اور زمین اور اُس پر کے کام جل جائیں گے" اور پھر "اُس کے وعدہ کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راستبازی بسی رہے گی" (۲ پطرس ۳: ۱۳) ؛

## خُدا پر ایمان رکھنے کے ذریعہ نئی زندگی

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر چیز کا انجام یہی ہے کہ وہ جل کر خاکستر ہو جائے تو پھر خُدا نے اِن چیزوں کو پیدا ہی کیوں کیا؟ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک دِن ہم نے مرجانا ہے تو کیا ہر ایک چیز کا خاتمہ ہے؛ اگر حقیقتاً ایسا ہی ہے تو زندگی انتہائی مایوس کُن اور غم انگیز کاروبار ہے۔ شاید نہیں، "واعظ" کی کتاب کے قنوطیت پرست دانشور مصنّف سے مُتفق ہونا پڑے گا جس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "پس میں نے مُردوں کو جو آگے مَر چُکے اُن زندوں سے جو اَب جیتے ہیں زیادہ مُبارک جانا، بلکہ دونو سے نیک بخت وہ ہے جو اَب تک ہُوا ہی نہیں جس نے وہ بُرائی جو دُنیا میں ہوتی ہے نہیں دیکھی"

(واعظ ۴: ۲-۳)

کہا جاتا ہے کہ اس دُنیا کی ہر ایک چیز فنا ہو جائے گی جو فنا ہو سکتی ہے لیکن کیا اس دُنیا کی کوئی شے ایسی بھی ہے جو فنا نہیں ہو سکتی۔ بائبل مقدس اس سوال کا جواب مُثبت میں دیتی ہے۔ اس باب میں ہم خُدا کا مطالعہ زندگی کے رُوپ میں کریں گے۔ وُہی زندگی بخشنے والا ہے۔

کتاب مقدس کی پہلی کتاب بنام "پیدائش" نہایت خوبصورت تصویر پیش کرتی ہے کہ "اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔" (پیدائش ۲: ۷) یہ قول صرف قدرتی زندگی کے لئے ہے جس میں ہم اور دوسرے سارے جاندار شریک ہیں (یہی قول عبرانی زبان کی پیدائش کی کتاب ۱: ۲۰ آیت میں ان معنوں میں مندرج ہے) اور یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں ہے۔ بائبل مقدس میں دوسری زندگی کے متعلق بھی ارشاد ہے جسے انسان کی جسمانی موت فنا نہیں کر سکتی اور جو زندہ خدا کا بیش بہا عطیہ ہے۔ خداوند یسوع نے فرمایا ہے "میں اس لئے آیا کہ وہ زندگی پائیں اور کثرت سے پائیں" (یوحنا ۱۰: ۱۰) کیونکہ خداوند تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" (یوحنا ۳: ۱۶)

تمام حیوانات اور انسانوں کی طبعی عمر بالآخر ختم ہو جائے گی لیکن اس دوسری زندگی پر موت کبھی فتح یاب نہیں ہو سکتی بلکہ موت کے چنگل سے دائمی آزادی (نجات) حاصل ہو جاتی ہے۔ "گناہ کی مزدوری موت ہے مگر خدا کی بخشش ہمارے خداوند یسوع مسیح میں ہمیشہ کی زندگی ہے" (رومیوں ۶: ۲۳) یہ زندگی ہمیشہ "تحفہ" یا "عطیہ" قرار دی گئی ہے اور یہ زندگی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کو صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ انسان ہیں۔ اگرچہ یونانیوں اور

بعض کے عقیدے کے مطابق انسانی زندگی کا کچھ حصّہ غیر فانی بھی ہے لیکن بائبل مقدس جس غیر فانی زندگی کی بشارت دیتی ہے، اس کا مطلب اس قسم کی زندگی سے نہیں ہے بلکہ اس زندگی کا مطلب راضی رہنا ہے۔ خُدا کی فرمانبرداری اور اُس کی مرضی کے مطابق جینا اور اُس کے ساتھ رُوحانی رشتہ جوڑ لینا ہے، خُدا کو چونکہ کبھی موت نہیں ہے اس لئے جو لوگ خُدا کے ساتھ رُوحانی تعلق مربُوط کر لیتے ہیں اُنہیں بھی کبھی موت نہیں آسکتی۔ مثلاً جب تک بجلی کے تاروں کے ذریعہ کرنٹ قمقمہ میں دوڑتا رہتا ہے قمقمہ روشن رہتا ہے۔ لیکن یہ روشنی تاروں میں نہیں ہوتی بلکہ اُس قوّت میں پنہاں ہوتی ہے جو ان تاروں میں رواں دواں ہوتی ہے اور جب تک اس قوّت کا سلسلہ مُنقطع نہیں کر دیا جاتا قمقمہ بدستور روشن رہتا ہے۔ اسی طرح خُدا کے ساتھ رُوحانی تعلق اُستوار کرنے والی زندگی بھی ہے — یہ زندگی ایک تحفہ ہے جسے ہمیں قبُول کرنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی اس تحفہ کو قبُول کر لینے سے ہم اپنا وجُود کھو نہیں بیٹھتے بلکہ اس تحفہ کو قبُول کر لینے کے بعد ہم صحیح طور پر اپنے آپ میں آتے ہیں۔ چنانچہ اگر خُدا تعالےٰ کی زندگی ہمارے اندر رواں رہے تو ہم کبھی نہیں مر سکتے۔ ہماری جسمانی مَوت محض ایک تبدیلی ہے اور یہ ہمیں دُنیا سے آزاد کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جسے ہم اپنی اسی زندگی میں خُداوند یسُوع مسیح پر ایمان لا کر حاصل کر

سکتے ہیں۔" اور وہ گواہی یہ ہے کہ خدا نے ہمیں ہمیشہ کی زندگی بخشی اور یہ زندگی اُس کے بیٹے میں ہے جس کے پاس بیٹا ہے اُس کے پاس زندگی ہے اور جس کے پاس خدا کا بیٹا نہیں اُس کے پاس زندگی بھی نہیں" (۱۔یوحنا ۵: ۱۱-۱۲) ایک مسیحی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بذاتِ خود مجسّم زندگی ہے دو تحفے ملتے ہیں۔ اوّل اس طبعی زندگی کا تحفہ جو اسے تمام دُوسرے انسانوں اور حیوانوں کے ساتھ ملا ہے۔ دوم۔ دائمی زندگی کا وہ تحفہ جو اسے مشترکہ طور پر اُن لوگوں کے ساتھ ملا ہے جنہوں نے اس تحفہ کو یسُوع مسیح کی وساطت سے حاصل کیا ہے۔

## خُدا نے دُنیا کو کیوں پیدا کیا؟

اب ہم اس سوال کا جواب دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ خدا نے دُنیا کو کیوں پیدا کیا؟ اس سوال کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ خدا نے چاہا کہ وہ اُن آزاد انسانی رُوحوں کی دائمی رفاقت سے لُطف حاصل کرے جنہوں نے از خود اپنی آزاد مرضی سے اُسے محبت کرنے اور اُس کی اطاعت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگرچہ بلاشُبہ اس دُنیا کی تخلیق سے خدا کا صرف یہی ایک مقصد نہیں ہے کیونکہ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس کائنات کو کتنا متنوع، ہمہ گیر اور رنگا رنگ پیدا کیا گیا ہے تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس دُنیا میں خدا کے سینکڑوں، ہزاروں مقاصد وابستہ ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے لیکن ہم اس کے ایک مقصد کو ضرور سمجھ سکتے ہیں جو اس دُنیا میں پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ وہ

مقصد یہ ہے کہ اُس نے اِس دُنیا میں انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اُنہیں آزادی بخشی۔ وُہ اِن سے مخاطب ہوتا ہے۔ اُنہیں نیکی اور بدی کے انتخاب کا موقع دیتا ہے۔ وُہ اُنہیں اس دُنیا میں زندگی کے خطرات و مصائب اور مسرتوں کے ذریعہ اُن کی تربیت کرتا ہے کہ وُہ ابدی مقاموں میں ہمیشہ کی زندگی گزارنے کے لائق ٹھہریں۔ چنانچہ وُہ فرماتا ہے کہ "آؤ میرے باپ کے مُبارک لوگو، جو بادشاہی بنائے عالم سے تمہارے لئے تیار کی گئی ہے اُسے میراث میں لو۔" (متی ۲۵: ۳۴) بعینہ جس طرح دھات کی چیزیں بنانے والا دستکار جب کوئی چیز بنانے کا ارادہ کرتا ہے پہلے تو وُہ ایک ڈھانچہ تیار کرتا ہے جس میں سیال مادّہ کو ڈھال کر اُس چیز کے مطابق شکل دیتا ہے جو اُسے بنانی مقصود ہے۔ پھر جب یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے اور وُہ چیز کاریگر کی منشا کے مطابق اپنی اصل شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس ڈھانچے کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جاتا ہے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ دُنیا بھی جس میں ہم زندگی گذار رہے ہیں ایک دن ختم ہو جائے گی، لیکن اس دُنیا کے ڈھانچے میں جس چیز کو شکل دی گئی ہے اور جن رُوحوں کو خُدا کی محبت اور اُس کی اطاعت کے لئے ڈھالا گیا ہے اور اگلی دُنیا میں زندگی گذارنے کے لئے مُنتخب کیا گیا ہے وُہ ہرگز نہیں مریں گی۔ اُن کی "زندگی مسیح کے ساتھ خُدا میں چھپی ہوئی ہے" (کلسی ۳: ۳) کیونکہ وُہ زندہ جاوید ہے اور زندہ جاوید رہیں گے۔

یہاں ہم نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ خُدا نے دُنیا کو کس

مقصد کے لئے بنایا ہے؟ لیکن ہم یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ خُدا نے اس
دُنیا کو کیوں بنایا ہے؟ اور ہمیں یہ بھی کیوں سوچنا چاہیئے کہ خُدا کے نزدیک آزاد
رُوحوں کی رفاقت اور اُن کی اطاعت اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کی خاطر
وُہ اس دُنیا کو بنانے اور اسے چلانے کی خاطر مُصیبت مُول لیتا ہے۔ اس
لحاظ سے اگر ہم خُدا کے اُس تصوّر کو مان لیں جس پہ یُونانی قوم یقین رکھتی
ہے تو پھر ہم اس سوال کا جواب کبھی نہیں پا سکتے کیونکہ یُونانی فلسفیوں
کے یقین کے مطابق خُدا ایک ایسی شخصیت ہے جو بے نیاز ہے
اور اُسے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں، اُس کی کوئی بھی خواہش اور
احتیاج نہیں ہے۔ پھر ایک ایسے خُدا کے ذہن میں اپنی ذات کے
علاوہ کسی دُوسری چیز کے تخلیق کرنے کی خواہش کس طرح پیدا ہو سکتی
تھی لیکن ایک مسیحی ہونے کی حیثیت سے ہم اس سوال کا جواب پا سکتے
ہیں۔ اگرچہ یہ جواب بالکل واضح نہیں اور ہم اسے اُس وقت تک
ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ ہم اس مسیحی یقین کو اچھی طرح
نہ سمجھ لیں کہ خُدا محبّت ہے۔ یہ راز سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی
بخُوبی ہماری سمجھ میں آسکتی ہے کہ خُدا کو انسانوں کی اس لئے ضرورت
ہو سکتی ہے کہ وُہ اِن سے محبت کرے اور اُسے یہ خواہش بھی ہو سکتی
ہے کہ انسان اُس سے محبّت کریں۔ چنانچہ اگر یہ درُست ہے تو ایک دفعہ
پھر ہمیں اُس پہلی آیت پر غور کرنا چاہیئے کہ "تُو خُداوند اپنے خُدا سے پُورے
دِل کے ساتھ محبّت رکھ"۔

# باب سوم

## خُدا نُور ہے

**خُدا جو خُود کو ظاہر کرتا ہے:** ذات باری تعالیٰ کے متعلق بائبل مقدس کا دُوسرا عظیم الشان لفظ نُور ہے۔ کلام میں مرقوم ہے کہ "خُدا نُور ہے اور اُس میں ذرا بھی تاریکی نہیں"۔ (۱۔یُوحنا ۱: ۵)؛

خُدا کا پہلا جملہ جو بائبل میں مُندرج ہے یہ ہے کہ "روشنی ہو جا" (پیدائش ۱: ۳) مقدس پولُوس نے اس جُملہ کو اُس نُور سے تشبیہ دی ہے جو یسُوع مسیح کے ذریعہ انسانوں تک پہنچتا ہے" اس لئے کہ خُدا ہی ہے جس نے فرمایا کہ تاریکی میں سے نُور چمکے اور وُہی ہمارے دِلوں میں چمکا تھا کہ خُدا کے جلال کی پہچان کا نُور یسُوع مسیح کے چہرہ سے جلوہ گر ہو" (۲۔کرنتھی ۴: ۶) یہ جُملہ کہ "خُدا نُور ہے" اِسی بات کا شاہد ہے کہ خُدا نے نُور کو بنایا کیونکہ وُہ خُود نُور ہے'۔ اور نُور کے متعلق سوچ بچار کرتے ہیں، جو ہمارے مشاہدے کے مطابق دُنیا میں موجُود ہے، ہمیں ایسے صحیح الفاظ بھی مل جائیں گے جن کے ذریعہ ہم خُدا کی ذات کو زیادہ مُوثر ترین طریق سے بیان کر سکیں۔

اس کے متعلق پہلی سچائی یہ ہے کہ خُدا وُہ خُدا ہے جس کی ذاتی

خواہش یہ ہے کہ انسان اُسے پہچانیں۔ ایک بڑے عالم کا کہنا ہے کہ پیدائش کی کتاب (۱:۳) میں خُدا کے اِس قول میں کہ "روشنی ہو جا" کے رُوحانی معنی یہ ہیں "کہ مجھے پہچانا جانے دو"۔ اتھینے میں مقدس پولُس نے ایک ایسی قربان گاہ بھی دیکھی تھی جو "نامعلوم خُدا کے لئے" مخصُوص تھی (اعمال ۱۷:۲۳) یسعیاہ کی کتاب میں بُت پرست لوگ یُوں شاکی ہیں "اے اسرائیل کے خُدا اُسے نجات دینے والے یقیناً تُو اندیکھی ذات ہے" (یسعیاہ ۴۵:۱۵) لیکن صرف یہی سب کچُھ نہیں ہے جو خُدا انسانوں سے چاہتا ہے۔ بلکہ وُہ چاہتا ہے کہ انسان اُس کے اطاعت گزار ہوں، وُہ چاہتا ہے کہ یہ اطاعت گزاری سُوجھ بُوجھ کے ساتھ ہو اور ایسی سمجھ بُوجھ والی اطاعت ہم اُس کی کبھی نہیں کر سکتے جب ہم بخُوبی جانتے نہ ہوں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اُس کے متعلق صرف اپنے ذہن میں سوچ بچار کر کے ہی اُسے جان سکتا ہے۔ گو ہم اپنے ذہن میں خُدا کا تصوّر کر سکتے ہیں، اور اگر ہم اپنے تخیلات کے بل بوتے پر خُدا کی تصویر کو ذہن نشین کرنا چاہیں تو یہ محض ایک خیالی خُدا ہی ہوگا — "خُدا نُور ہے" کا مفہوم یہی ہے کہ خُدا خُود اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے — یعنی خُدا انسانوں پر اپنے آپ کا انکشاف کرتا ہے۔

چنانچہ ذات باری تعالیٰ نے خُداوند یسُوع مسیح کی شخصیت میں

اپنے آپ کو مکمل طور پر ظاہر کیا۔ "جس نے مجھے دیکھ لیا اُس نے باپ کو دیکھ لیا۔" لیکن یسُوع مسیح اچانک اَور فوری طور پر اس دُنیا میں نہیں آیا تھا بلکہ وُہ اُس سارے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے آیا تھا جسے خُدا نے دُنیا کے آغاز سے بنانا شروع کیا تھا۔ مقدس یُوحنا کی انجیل کی پہلی اٹھارہ آیات میں ان طریقوں کی بڑی شاندار تصویر کھینچی گئی ہے جن کے ذریعہ خُدا اپنے آپ کو اپنے بندوں پر ظاہر کرتا رہا ہے۔ "ساری چیزیں اُسی کے وسیلہ سے بنائی گئیں۔" "آسمان خُدا کا جلال ظاہر کرتا ہے اَور فضا اُس کی دستکاری دکھاتی ہے۔" (زبور ۱۹: ۱) لیکن یہ بھی عین ممکن ہے کہ انسان اس کائنات میں پھیلی ہُوئی تمام حیرت انگیز چیزوں کو دیکھتا رہے اَور خُدا کو ایک بار بھی کبھی نہ دیکھ سکے۔ "وُہ زندگی آدمیوں کا نُور تھی۔" خُدا نے انسان کو دماغ اَور ذہانت عطا کی ہے لیکن اس کے باوجُود بھی یہ عین ممکن ہے کہ انسان دُنیا بھر کی چیزوں کے متعلق سوچتا رہے لیکن خُدا کے بارے میں ایک بار بھی نہ سوچے۔ اگرچہ خُدا نے انسانوں کے فکر و ذہن کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے اپنے نبیوں اَور پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کے قریب آنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مرقُوم ہے کہ ایک آدمی یُوحنا نام آموجُود ہوا جو خُدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔" وُہ خُدا کے اُن نبیوں میں سے آخری نبی تھا جنہوں نے انسانوں کو خُدا کے نام پر مخاطب کیا۔ خُدا نے اپنے پیغمبروں کو خود اپنی رُوح کے

ذریعے سے دیکھنے، سوچنے، ماننے، سمجھنے اور بولنے کی غیر معمولی توفیق عطا کی۔ لیکن اس کے باوجود انسانوں کے لئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ وُہ خُدا کو کسی رُوپ میں بولتا ہوا دیکھیں مگر اُسے سُننے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ — اور بالآخر خُدا تعالیٰ اپنے بیٹے کے رُوپ میں ظاہر ہُوا۔ "کلام مجسّم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا"۔ خُداوند یسُوع نے جو کچھ فرمایا اُس میں ہم خُدا کے عمل کی جھلک دیکھتے ہیں۔ اُس کے بولے ہُوئے الفاظ میں ہم خُدا کی ذات کو پہچان سکتے ہیں لیکن چُونکہ انسان آزاد ہے اس لئے اس کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وُہ خُدا کو اُس کے بیٹے کے رُوپ میں دیکھ کر بھی اُس کے وجُود سے اِنکار کر دے، حالانکہ وُہ انسان سے پُوری پُوری محبّت کرتا ہے "لیکن جتنوں نے اُسے قبُول کیا اُس نے اُنہیں خُدا کے فرزند بننے کا حق بخشا"۔

اگر ہم خُداوند یسُوع کو دیکھیں، اُسے سُنیں اور اُس پر بھروسہ رکھیں اور اُس سے محبّت کرنے لگیں تو ہم اُس کے وسیلے سے خُدا سے محبّت کرنا اور اُسے پہچاننا سیکھ سکتے ہیں اور اس دُنیا میں اُس کے فرزندوں کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں۔

## خُدا جس پر ہم بھروسہ کرتے ہیں:

دُوسری بات یہ ہے کہ یہی تصوّر کہ "خُدا نُور ہے" ہماری رہنمائی اُس تصوّر کی جانب بھی کرتا ہے کہ یہی خُدا وہ خُدا ہے جس پر

ہم بھروسہ کر سکتے ہیں۔ "خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا
جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا"۔ یسوع کے ذریعہ خدا
نے اپنی محبت کو ہم پر ظاہر کیا۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم
خدا کے متعلق سب کچھ جان سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ خدا عظیم الشان
ہے اور ہم اُس کے بندے انتہائی حقیر ہیں، اس لئے یہ امر بھی
یقینی ہے کہ خدا کے متعلق بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم کبھی بھی
نہیں جان سکتے اور وہ ہمیشہ ہمارے لئے ایک سربستہ راز ہی رہیں
گی۔ جو حقیقت ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ خداوند یسوع کی ذات
کے توسط سے خدا نے ہمیں اپنے آپ کو صرف اُسی قدر دکھایا ہے
جتنا کہ انسان خدا کو دیکھنے کا متحمل ہو سکتا ہے یا جتنا خدا کے
بارے میں جاننے کی انسان کو ضرورت ہے اور یہ الفاظ کہ "خدا
نور ہے اور اُس میں ہرگز تاریکی نہیں" اس بات کے مظہر ہیں کہ خدا
ہر ایک جگہ موجود ہے اور ہمیشہ سے ایک سا ہی خدا ہے۔ گو سارے
امور میں خدا کو نہیں جان سکتے پھر بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا کہ خداوند
یسوع مسیح کے وسیلے سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس لئے ہم پورے
طور سے اُس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ وہ بلاشبہ بہت سے ایسے کام
اور ایسی باتیں کر سکتا ہے جنہیں ہم اس وقت نہیں سمجھ سکتے لیکن
ہمیں چاہیئے کہ ہم اُس پر کامل بھروسہ رکھنا سیکھیں چہ جائیکہ ہم
اُسے دیکھنے اور سمجھنے میں کتنے ہی معذور ہوں۔ ابرہام کے سوال کا

جواب کہ "کیا تمام دُنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا" واضح طور پر اثبات میں دیا گیا ہے۔ جن باتوں میں ہم خُدا کو جان پہچان گئے ہیں وہاں ہم اُس پر بھروسہ کر سکتے ہیں، لیکن ان ساری باتوں اور کاموں میں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور جہاں ہم اُسے نہیں جان سکے وہاں بھی ہمیں قطعی مطمئن رہنا چاہیئے کہ وہ مساوی طور پر قابلِ بھروسہ ثابت ہوگا۔

خُدا کی کاریگری میں ہم خُدا کی عظمت کے نشان دیکھ سکتے ہیں اور اُس کی فرمانبرداری کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ سادہ اور جاہل لوگ خُدا کو محض ایک خیالی شے سمجھتے تھے۔ عہدِ قدیم کا انسان چُونکہ یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ دُنیا کس طرح چل رہی ہے اور کون سے اصُول و قوانین اِس پر حکمرانی کر رہے ہیں اس لئے اِس دُنیا کا وجُود بھی اُس کے لئے خیالی ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے محض حادثات و واقعات کا ایک سلسلہ تصوّر کرتے تھے جن کا ایک دُوسرے سے کوئی تعلّق نہیں تھا، لیکن اب سائنسی ترقّی کے ساتھ ساتھ ہم جانتے جا رہے ہیں کہ یہ دُنیا ضابطے اور قرینے کی دُنیا ہے۔ آج سائنس دان اپنے آلات کی مدد سے یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ انتہائی دُور دراز فاصلے پر چمکنے والے یہ ستارے کیا ہیں اور یہ زمین سے کتنی دُور ہیں۔ سائنس دانوں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ وہاں پر بھی وُہی اصُول و ضوابط کارفرما ہیں جو ہماری اس چھوٹی سی

دُنیا میں ہیں۔ بلاشبہ بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں آج کا سائنس دان بھی نہیں جان سکتا اور اُن باتوں کے لئے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن وہ جتنا زیادہ جانتا جاتا ہے اُسے اُتنا ہی زیادہ یہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ یہ دُنیا نظم و ضبط کی دُنیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب سائنس دان کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہ ہمیں صرف یہی بتا سکتا ہے کہ ایسا ہے اور اس سے آگے وہ بھی لاجواب ہے۔ لیکن ایک مسیحی کے خیال میں اس سوال کا جواب اُس کے پاس ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ زمین اور آسمان ایک ایسے وفادار خُدا کی صناعی کے نتائج ہیں جس پہ پورے طور سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

آج جس درجہ حرارت پہ پانی کھول جاتا ہے ہم اس کے متعلق نہ تو ثبوت دے سکتے ہیں اور نہ دعوے کر سکتے ہیں کہ کل بھی پانی اسی درجہ حرارت پہ کھول جائے گا۔ اس چیز کو ہم صرف فرض کر لیتے ہیں کہ کل بھی ایسا ہی ہوگا اور اسی مفروضہ کی طرح ہم دُنیا کی ہر بات پہ یقین کر کے زندگی کے دن گذارتے چلے جاتے ہیں۔ ایک مسیحی کے لئے یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اس دُنیا کے بنانے والے پہ ایمان لائے بغیر اس دُنیا پہ بھروسہ کر لیا جائے جبکہ زیادہ دانشمندانہ بات یہ ہے کہ خُدا پہ ایمان لانے کے بعد اُس کی بنائی ہوئی اس دُنیا پہ بھروسہ کیا جائے۔

# عہد و پیمان والا خُدا

یہ صداقت کہ خُدا تعالیٰ وفادار ہے ایک سُنہری زنجیر کی طرح بائبل مقدس کے بیانات میں مسلسل آویزاں ہے۔ تم خُدا پر بھروسہ کر سکتے ہو کیونکہ وُہ تمہارے اعتبار کے قابل ہے۔ خُدا کی وفاداری کا یہ تصوّر "عہد و پیمان" متواتر اور مؤثر معنوں میں استعمال ہُوا ہے اور خُدا اور اُس کے مُنتخب برگزیدہ لوگوں کے درمیان ایک مضبُوط رشتہ کو ثابت کرتا ہے۔ عام طور پر جب ہم انسانوں کے درمیان عہد و پیمان یا قول و اقرار کے رشتہ کے متعلق بات چیت کرتے ہیں تو ہم ایک ایسے کاروبار کی بات کرتے ہیں جو مساوات پر مبنی ہو یا دو ایسے انسانوں کے متعلق جن میں سے ہر ایک نے دُوسرے کو کچھُ نہ کچھُ دینا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آقا کو ایک ملازم کی ضرورت ہے جو اُس کی خدمت کر سکے اور ایک ملازم کو ایسے آقا کی ضرورت ہے جو اُس کا کفیل ہو سکے۔ اقرار نامہ طے پاتا ہے۔ کچھُ مُدت کے لئے قائم اور بحال رہتا ہے زاں بعد اُن میں سے ایک فریق اُسے ختم کر سکتا ہے لیکن بائبل مقدس کا عہد نامہ صرف خُدا کی اپنی مرضی پر مبنی ہے۔

اس عہد و پیمان کے لئے وُہ شخص جو مُنتخب کیا گیا ہے اُسے اس کی منظُوری اور اطاعت کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا ہے لیکن ایسی ذمہ داری اُس پر اس لئے ڈالی گئی کہ وُہ دُوسروں کی طرف سے چُنا گیا ۔۔۔ اسرائیلی خُدا کے لوگ نہیں ہیں کیونکہ اسرائیل نے

خود خدا کو چنا ہے لیکن چونکہ اسرائیلی خدا ہی کی جانب سے منتخب شدہ ہیں۔

یہ انتخاب بھی اپنی قسم کا نرالا تجربہ ہے جو اسرائیلیوں کو بیابان میں پیش آیا جبکہ وہ موسیٰ کی رہنمائی میں مصر سے نکالے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ سارے پہاڑ پر آگ روشن ہے اور اس آگ میں سے خدا تعالیٰ اُن سے باتیں کرتا سُنائی دیا۔ وہ اس امر سے آگاہ تھے کہ وہ خدا کے لوگوں کی حیثیت سے چُنے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی ساری طویل تاریخ میں اس واقعہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکے۔ لیکن اگر اسرائیل عہدنامہ کی شرائط کو برقرار نہ رکھ سکتا تو کیا ہوتا؟ اگر بندے خدا کے حکم سے انحراف کریں اور اس کی اطاعت نہ کریں تو کیا ہوگا؟

اس کا یہی جواب ہے کہ ایسے لوگ اُس برکت سے محروم رہ جائیں گے جو انہیں اطاعت گزاری اور فرماں برداری کے ذریعہ عطا ہوتی ہے۔ وہ رد بھی کئے جا سکتے اور تباہ بھی کئے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ عہدنامہ اپنی جگہ قائم ہے اور خدا نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کی لہٰذا وہ ابھی تک اپنے لوگوں کا خدا ہے، حالانکہ وہ اپنے لوگوں سے یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ "تم میرے لوگ نہیں ہو"۔ وہ انہیں اپنے قریب واپس لانے کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ "وہ جو گناہ کرتے ہیں اُن کی عدالت کی جائے گی لیکن خدا کے یہاں سزا سے زیادہ رحم کیا جاتا ہے"۔ اگر تم میرا وہ عہد جو میں نے دن سے اور رات سے

کیا توڑ سکو کہ دن اور رات اپنے اپنے وقت پر نہ ہوں تو میرا وہ عہد بھی جو میں نے اپنے خادم داؤد سے کیا ٹوٹ سکتا ہے کہ اُس کے تخت پر بادشاہی کرنے کو بیٹا نہ ہو" (یرمیاہ ۳۳: ۲۰-۲۱)
بائبل مقدس کی تعلیم کا مرکز فقط اسرائیل سے خدا کا عہد ہے لیکن وہ گزشتہ اور آئندہ دونوں عہدوں پر حاوی ہے۔ پیدائش کی کتاب کے نویں باب میں سارے انسانوں کے ساتھ خدا کے عہد کی ایک نہایت حسین داستان ہے جس میں قوس و قزح کو نشان قرار دیا گیا ہے اور یہ طوفانِ نوح کے بعد کا ذکر ہے:-

خدا انسانوں کی نسل کو پھر کبھی فنا نہیں کرے گا۔ اُس کا آخری حکم پورے رحم سے معمور ہے۔ وہ انسانی نسل کا خدا بننے کے لئے چنا گیا اور وہ آخر تک انسانی نسل کا خدا رہے گا۔ شاید ہم اُس سے منحرف ہو جائیں اور اگر ہم فی الواقع ایسا کریں تو ہم اُن ساری مراعات سے جو خدا کے بندوں کے لئے مخصوص ہیں، محروم ہو جائیں گے لیکن وہ ہم سے کبھی بھی انحراف نہیں کرے گا اور آخر تک اُس کا منشائے مقصود یہی ہے اور رہے گا کہ انسانی نسل کو نجات دی جا سکے۔

خداوند یسوع مسیح کے وجود میں عہدِ قدیم کی تجدید کی گئی تھی۔ خداوند نے اپنی زندگی کی آخری رات میں اس عہد کا ذکر کیا اور اپنے شاگردوں کو روٹی اور مے بطور نشان کے عطا کی اور اُس کے خون کا یہ عہد

اب دُنیا کے آخر تک کے لئے اُس کا عطا کردہ نشان ہے جو دُنیا کے آخر تک قائم رہے گا۔ اس نئے اقرار نامہ کی شرائط کیا ہیں؟

عبرانیوں کے نام خط میں یرمیاہ نبی کے پُرانے الفاظ ہمیں نہایت واضح طور پر ان شرائط کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں کہ :-

خُداوند فرماتا ہے دیکھ! وہ دِن آتے ہیں۔

کہ مَیں اسرائیل کے گھرانے اور یہوواہ کے گھرانے سے ایک نیا عہد باندھوں گا۔ یہ اُس عہد کی مانند نہ ہوگا جو مَیں نے اُن کے باپ دادا کے ساتھ اُس دِن باندھا تھا جب مُلکِ مصر سے نکال لانے کے لئے اُن کا ہاتھ پکڑا تھا۔

اس واسطے کہ وُہ میرے عہد پر قائم نہیں رہے۔

اور خُداوند فرماتا ہے کہ مَیں نے اُن کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔

پھر خُداوند فرماتا ہے کہ جو عہدِ اسرائیل کے گھرانے سے اِن دِنوں کے بعد باندھوں گا وُہ یہ ہے کہ

مَیں اپنے قانون اُن کے ذہن میں ڈالوں گا۔

اور اُن کے دِلوں پر لکھوں گا اور مَیں اُن کا خُدا ہوں گا اور وُہ میری اُمت ہوں گے۔

اور ہر شخص اپنے ہم وطن اور اپنے بھائی کو یہ تعلیم نہ دے گا کہ تُو خُداوند کو پہچان کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک سب مجھے جان لیں گے۔

اس لئے کہ مَیں اُن کی ناراستیوں پر رحم کروں گا اور اُن کے

گناہوں کو پھر کبھی یاد نہ کروں گا۔

چونکہ خداوند مسیح ساری دُنیا کے لوگوں کے لئے مصلوب ہُوا اس لئے تمام انسانوں کو اس عہد میں حصّہ داری اور شراکت کا حق ہے لیکن چونکہ ابھی دُنیا میں کثیر التعداد لوگ ایسے ممالک اور مقامات میں رہتے ہیں جہاں اُنہوں نے ابھی تک مسیح کا نام نہیں سُنا، اس لئے وہ اس حق کو قانوناً استعمال نہیں کر سکتے مسیحی نئے عہد کی اُمّت ہیں لیکن جب تک وہ دُوسروں کو بھی خداوند مسیح کے نئے عہد کی قربت میں نہیں لاتے وہ صحیح معنوں میں مسیحی کہلانے کے مُستحق نہیں ہو سکتے ؛

یہ نیا عہد انسان کا خود ساختہ عہد نہیں بلکہ خدا تعالےٰ نے اسے پہلے ہی سے بنایا ہے۔ ہم اس میں شریک کئے جاتے ہیں اور یہ عہد اُسی طرح قائم ہے اور ہمیشہ تک قائم رہے گا جیساکہ خدا اَبد تک یکساں ہے اور کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ وہ ایک انتہائی وفادار خدا ہے۔ "اگر ہم بے وفا ہو جائیں گے تو بھی وہ وفادار رہے گا کیونکہ وہ آپ اپنا انکار نہیں کر سکتا۔" (۲۔ تموتھی ۲ : ۱۳) وہ آپ اپنا انکار نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ اپنی الٰہی ذات کے مطابق سرگرم عمل ہے۔

## خدا جو آزاد ہے :-

بعض لوگ یہ سوال کرنا بڑی دانش مندی کی بات سمجھتے ہیں کہ کیا خدا نے بعض چیزوں کے کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہ چیزیں واقعی اچھی ہیں یا وہ چیزیں محض اس لئے اچھی تو ہو گئی ہیں کہ خدا

نے اِن کے کرنے کا حکم دیا ہے؛ اگرچہ یہ سوال بے معنی نہیں ہے لیکن اسے صحیح طریق سے پیش نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس سلسلے میں ہمیں اپنے نُقطۂ آغاز سے بحث شروع کرنی چاہیئے یعنی یہ کہ "خُدا نُور ہے" اور اُس میں کوئی تاریکی نہیں اور اُس کی ذات میں کوئی تضاد نہیں اور کوئی خلا نہیں ہے۔ مگر انسان اُس کی طرح نہیں ہے۔ ہم آج ایک کام ایک طرح کرتے ہیں لیکن کل اُسی کام کو دُوسری طرح کرتے ہیں کیونکہ جن اثرات کے تحت ہم کام کرتے ہیں، وہ بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن خُدا ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتا ہے جیسا کہ پتھروں، درختوں اور ہواؤں کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ اُس کا سلوک اُن لوگوں کے ساتھ جو اُس کے فرمانبردار بندے ہیں اور اُن کے ساتھ جو اُس کی نافرمانی اور اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، مساوی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک اُس کے مقاصد کا تعلق ہے وُہ لا مُبدّل ہیں، اور وُہ اپنی ہر مخلوق کے لئے بہتری کی خواہش کرتا اور اُن کی فلاح و بہبود چاہتا ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح خُدا آزاد اور قادرِ مُطلق تو نہ رہا۔ اُس سے زیادہ آزاد اور خُود مختار تو انسان ہی ہے کہ وُہ دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کا انتخاب کر

سکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ انسان آزاد کیسے ہے جبکہ اسے بعض کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جن کے کرنے سے وُہ دُوسرے انسان کی مرضی کے تابع ہوتا ہے اور یہ ایک قسم کی غُلامی ہے اور غُلامی سے آزادی بہرطور بہتر ہے۔ پھر جب ہم دُوسرے لوگوں کے قبضہ واختیار سے آزاد بھی ہوتے ہیں تب بھی ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خُود اپنی ذات کے اعتبار سے ہم آزاد نہیں ہیں۔ ہماری اپنی خواہشات، خیالات اور احساسات کبھی یکساں نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔ ہم کبھی ایک اور کبھی دُوسرے کام کی بابت سوچتے رہتے ہیں لیکن کرتے کچھ اور ہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہم بعض نہایت ہی معمُولی نوعیت کے کام بھی اس طرح نہیں کر سکتے جس طرح ہم چاہتے ہیں مثلاً اگر ہم صبح سویرے اُٹھنے کے ارادے سے رات کو سوتے ہیں تو یہ ضرُوری نہیں کہ ہم اس ارادے کو پُورا کر سکیں۔ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم ایک گھنٹہ تاخیر سے بیدار ہوتے ہیں۔ دراصل ہمیں جس شئے کی ضرُورت ہے وُہ یہ ہے کہ ہم تاریکی سے آزاد ہوں۔ ہم اپنی اندرُونی متضاد خواہشات سے آزاد ہوں اور ہمیشہ وُہ کام کریں جو ہماری اپنی ضمیر کے مطابق ہو۔ اسی صُورت میں ہم آزاد ہو سکتے ہیں اور پھر ہمیں اس امر کا پتہ بھی چلے گا کہ خُدا ابھی مکمل طور پر آزاد ہے اور وُہ ہمیشہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اُس کا کام اچھا ہوتا ہے اور اُس کی مرضی ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔

## خُدا اچھائی پسند کرتا ہے :۔

یہاں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ اچھائی کیا ہے؟ خود انسان کیا ہے؟ اور اس کے لئے بہتری کیا ہے؟ یہاں ہم اگر ایک اور سوال کریں تو ہمیں جواب مل سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک چیز کسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ اگر وہ اس مقصد کو صحیح طور سے پورا کرتی ہے تو وہ اچھی ہے اور یہی اس کی اچھائی ہے مثلاً چاقو اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ کاٹے۔ چنانچہ اگر وہ کاٹتا ہے تو اچھا چاقو ہے اور اگر وہ نہیں کاٹتا تو وہ چاقو کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، ہرگز اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ پھر انسان کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ یہ کوئی آسان سوال نہیں ہے۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا مفہوم اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ان کے ساتھ دیگر الفاظ کا اضافہ نہ کیا جائے مثلاً لفظ "شوہر" کی وضاحت لفظ بیوی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لفظ "باپ" بیٹے یا بیٹی کے لفظ کے بغیر تشنہ رہتا ہے۔ اسی طرح لفظ 'انسان' لفظ "خدا" استعمال کئے بغیر محتاجِ تشریح ہے۔ یہی مسیحی ایمان ہے۔ "اے خدا تو نے ہمیں اپنے لئے پیدا کیا ہے"۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کے لئے ہی بنایا گیا ہے اور انسان اس وقت تک انسان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خدا کو نہ پہچان لے اور اس سے محبت نہ کرنے لگے۔

اگر یہ سب کچھ درست ہے تو پھر ہم اس سوال کا جواب پا سکتے ہیں کہ انسان کے لئے اچھائی کیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ بعض غیر مسیحی مفکرین

بھی اس حقیقت تک پہنچ گئے تھے مثلاً مسیح کی پیدائش سے قریباً چار سو
سال قبل یونان کے مشہور مفکر افلاطون نے کہا تھا کہ انسان کے لئے
سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خُدا کی ذات سے
مشابہ ہونے کی کوشش کرے۔ نئے عہدنامے نے اس بات کو اور بھی
زیادہ پُر زور طریقے پر بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ دُنیا میں ہمیں خُدا
کے فرزندوں کی طرح زندگی گزارنا اور اتنا ہی کامل بننا ہے جتنا کہ
آسمان میں ہمارا باپ کامل ہے۔ یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ انسان خُدا کی طرح کیسے بن سکتا ہے؟ خُدا کے سچے فرزند بن
کر دُنیا میں زندہ رہنے سے کیا مُراد ہے؟

یُونانیوں کا یقین ہے کہ غور و فکر انسان کے لئے سب سے زیادہ
اہم کام ہے اور انسان غور و فکر کے ذریعہ خُدا کی مانند بن جاتا ہے۔
دانش مند آدمی بہت پُر سکون اور مطمئن ہوتا ہے۔ وہ کسی خوف،
لالچ یا خواہش سے متاثر نہیں ہوتا۔ چین کے مشہور اوتار کنفیوشس نے
جو (۴۷۸ - ۵۵۱ ق-م) لگ بھگ اسی زمانے میں پیدا ہوا تھا
جس زمانے میں بھارت میں بُدھ پیدا ہوا تھا، یہی نظریہ پیش کیا ہے
جو یُونانیوں کا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ انسان کا اصل مقصد عقل و فہم
حاصل کرنا ہے اور انسان کو اُن فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے
آپ کو وقف کر دینا چاہیئے جو اُس پر عائد ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ
میں ہندوؤں کا ایقان یہ ہے کہ ایک شخص خُدا کو ہر وقت اپنے ساتھ

محسوس کر کے خود خدا جیسا بن سکتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ انسان کو گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی ذات میں خدا کو دیکھ لے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر انسان اور خدا کے درمیان مَن و تُو کا سوال باقی نہیں رہتا اور انسان "انا الحق" پکار اُٹھتا ہے۔ یعنی میں خدا ہوں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ مذہبی تقریبات اور دینی احساسات کے ذریعہ خدا کی مانند بن سکتے ہیں۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ مسیحیوں کی تجدیدی عبادتوں سے خدا کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن بائبل مقدس ان تمام طریقوں کو واضح طور پر غیر اہم قرار دیتی ہے۔ سب انبیاء کرام نے انسانوں کو جو سبق سکھایا یہ ہے کہ ہر ایک آدمی کو نیک بننا لازم ہے۔ انسان کو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں مہربان، صاف گو اور دیانتدار ہونا چاہیئے۔ اہلِ یہود اپنے عبادت خانوں اور اُن میں ہونے والی عبادتوں اور تقریبوں پر یقین رکھتے ہیں لیکن خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ 'میں اس سارے کام سے نفرت کرتا ہوں'۔ اس قسم کی عبادت کسی کام کی نہیں ہے۔ مجھے جو چیز درکار ہے وہ دِل سے نکلتی ہے اور وہ ایک خاص قسم کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ میکاہ نبی کی معرفت بتایا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "اے انسان اُس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے۔ خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے اور رحمدلی کو عزیز رکھے اور اپنے خدا کے حضور

فروتنی سے چلے۔ (میکاہ ۶ : ۸) خدا شاندار عبادتوں اور لمبی لمبی دعاؤں
کی بجائے نیکی، رحمدلی، فروتنی اور سادگی پسند کرتا ہے۔ اگر بیواؤں
اور یتیموں کو اس دنیا میں انصاف نہیں ملتا اور امراء غریبوں پر ظلم
ڈھاتے ہیں اور بیکسوں اور لاچاروں اور کمزوروں کو ستایا جاتا ہے
تو وہ ان باتوں پر ضرور توجہ دیتا ہے۔

خدا کی مانند بننے کے لئے انسان کو نیک بننا لازم ہے۔ یہ
ایک ایسی بڑی صداقت ہے جسے پرانے عہدنامے نے ہمیشہ
کے لئے انسانوں پر واضح کر دیا ہے۔ یہی وہ عظیم الشان سچائی ہے
جس کی بنیاد پر خداوند یسوع نے اپنی اعلیٰ تعلیم کی عمارت کو استوار
کیا تھا۔ اہل یونان کسی زمانے میں ایک بڑی عظیم قوم تھی، لیکن وہ بھی
اس سچائی تک نہیں پہنچ سکی۔ یونانی قوم کے دیوتا جیسا کہ مشہور یونانی
مفکر ہومر نے ایک ہزار سال قبل از مسیح بیان کیا ہے، انسانوں ہی کی
طرح ہیں۔ وہ بے حد مضبوط اور طاقتور ہیں۔ انہیں موت بھی نہیں
آتی لیکن وہ بڑے جھگڑالو ہیں۔ وہ باہم حسد رکھتے ہیں اور انسانوں
کی طرح گنہگار ہیں۔ اہل ہنود کے ہاں میں اگر کوئی جوان آدمی مندر
میں داخل ہوتا ہے تو وہ نیکی اور پارسائی کی بجائے گناہ کی طرف
زیادہ راغب ہو جاتا ہے۔ مگر بائبل مقدس میں بالکل واضح طور پر یہ
اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کی مانند بننا چاہتا ہے اُسے انصاف
پسند، مہربان، دیانتدار، مخلص اور سچا ہونا چاہیئے ؛

یہ جاننا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا ہے مثلاً یہ دو احکام کہ "تو خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ" اور "تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ" ہمیشہ ساتھ ساتھ جاری کئے گئے ہیں۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ انسان کو اپنے بھائیوں سے مل جل کر رہنا چاہیئے۔ ہم ایک خاندان کے رکن کی حیثیت سے زندگی کو شروع کرتے ہیں جس میں والدین، بھائی، بہن اور بیٹے، بیٹیاں سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ خاندان کے بعد گاؤں، قصبہ اور شہر کا نمبر آتا ہے۔ پھر قبیلہ، فرقہ، نسل قوم اور ساری انسانی دنیا ہے۔ چنانچہ اگر انسانوں کو باہمی مسرت اور امن و امان سے رہنا ہے تو ان کے درمیان صحیح معاملات کا ہونا اور ایک دوسرے سے عزت اور مہربانی سے پیش آنا ضروری ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں امیر لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اپنے طور پر غریبوں سے بے نیاز رہ کر زندگی گزار سکتے ہیں اور جہاں طاقتور یہ خیال کرتے ہوں کہ وہ کمزوروں پر ظلم و تشدد کرنے کا حق رکھتے ہیں تو وہاں زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ اس قسم کے معاشرے، سوسائٹی یا سماج میں انسان کبھی بھی ویسا نہیں بن سکتا جیسا کہ خدا اسے بنانا چاہتا ہے۔ "کیونکہ جو اپنے بھائی سے جسے اس نے دیکھا ہے محبت نہیں رکھتا، وہ خدا سے بھی جسے اس نے نہیں دیکھا محبت نہیں رکھ سکتا" (۱۔یوحنا ۴: ۲۰) وہ جو خدا سے محبت نہیں رکھ سکتا کبھی خدا کی مانند بن بھی نہیں سکتا۔

اب ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ بائبل مقدس میں قوانین بیان کرنے پر کیوں اتنا زور دیا گیا ہے۔ انسان کو اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے، خُدا تعالیٰ نے ہمیں اپنی جھلک دکھائی ہے۔ یہ قانُون پُرانے عہدنامے کے آخری حصّہ میں بالخصُوص استثنا کی کتاب میں سب سے زیادہ زور مہربانی اور رحمدلی پہ دیا گیا ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ سبت کے دِن ہم اپنے جانوروں کو بھی آرام دیں کیونکہ وُہ بھی انسان ہی کی طرح آرام کے مُستحق ہیں۔ نیز کسی شخص کو جوان پرندوں کے ساتھ اُن کے بچّوں کو گھونسلے میں سے نہیں نکالنا چاہیئے کیونکہ بنی اسرائیل کا خُدا مویشیوں اور پرندوں کا خُدا بھی ہے۔

## خُداوند یسُوع مسیح کی ذاتِ مُبارک میں خُدا کا ظہُور

اب ہم اس سوال کا مکمل جواب نہیں پا سکتے کہ "انسان کیا ہے؟" اس سلسلہ میں قانُون ہماری صرف اسی قدر مدد کرتا ہے کہ ہمیں کیا ہونا چاہیئے۔ لیکن انسانی زندگی کو قوانین کی فہرست میں نہیں ڈھالا جا سکتا کیونکہ زندگی اس سے کہیں زیادہ وسیع اور بھرپُور ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کو کیا ہونا چاہیئے؟ اس امر کے مطالعہ کے لئے اُن انسانی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھالا اور ایسے مثالی انسان بن کر دکھایا جیسا کہ صحیح معنوں میں انسان کو ہونا چاہیئے۔ یہاں مسیحی عقیدہ ہمیں یہ فوری جواب دیتا ہے کہ ہاں یہ دُرست ہے۔ اگر تم کسی ایسے انسان کو دیکھنا

چاہتے ہو جس نے دُنیا میں صحیح انسانی زندگی گزاری ہے تو خُداوند یسُوع مسیح کو دیکھو جس نے تنہا اس دُنیا میں سچّی اور حقیقی زندگی گزاری ہے ـــــ جیسی کہ درحقیقت ایک انسان کو گزارنی چاہیئے۔

بعض لوگوں کے لئے یہ جواب حیرت انگیز ہوگا کیونکہ اُنہیں بچپن سے ہی سکھایا جاتا ہے کہ خُداوند یسُوع خُدا کا بیٹا ہے اور وُہ یہ سمجھتے ہیں کہ یسُوع ہم سے اتنا مُختلف تھا کہ ہم اُسے اپنے جیسا انسان سمجھنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ایک بڑی سنگین غلطی ہے اور یہ مسیحی عقیدے کے بالکل خلاف ہے۔ اس سلسلہ کی دُوسری کتاب میں "مسیح کی ذات" کے فلسفہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں تو ہم آپ کو نہایت سادہ طریق سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نیا عہد نامہ (انجیل مقدس) خُداوند یسُوع کو واضح طور پر انسان ہی ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسیحی عقیدے کے مطابق وُہ "انسان" بھی تھا اور "خُدا" بھی۔ اُس کی ذات والاصفات میں ہمیں دونو خُوبیاں نظر آتی ہیں کہ خُدا کیسا ہے اور انسان کو کیسا ہونا چاہیئے۔ وُہ ایسا کرنے پر قادر تھا۔ اُس کی ذات میں دونو حکم برابر پُورے اُترے۔ ہم اُس کی ذات میں خُدا کے لئے بھی مکمل محبت دیکھتے ہیں اور دُوسرے انسانوں کے لئے بھی، یہاں تک کہ وُہ بدترین گنہگاروں سے بھی محبت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہم اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایک انسان ہونے کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ عام انسانیت تو دراصل ایک ایسا خاکہ ہے

جو کسی بچّے نے پنسل سے کاغذ پر کھینچ دیا ہو ورنہ انسانِ کامل تو وُہی ہے۔

خُداوند یسُوع کی ذات میں ہم وُہ باتیں مُشترک طور پر دیکھتے ہیں جو عام آدمیوں میں یکجا نہیں ہوتیں۔ مثلاً وُہ بیک وقت بے حد عقل مند بھی ہے اور سادہ بھی۔ وُہ بے حد بہادر بھی ہے اور حسّاس بھی۔ وُہ اُن لوگوں کے لئے جو دُوسروں سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں، بڑا سخت گیر بھی اور اُن کے لئے جو اپنے آپ کو بُرا اور کمتر سمجھتے ہیں مہربان اور مُشفق بھی ہے۔ پھر کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے ہم اچھا سمجھتے ہیں اور وُہ اُس کی ذات میں نہیں ہے؟ مقدس پولُوس نے اس سلسلہ میں اچھائیوں اور خُوبیوں کی جو فہرست مرتب کی ہے وُہ یُوں ہے۔ محبّت، خُوشی، اطمینان، تحمّل، مہربانی، نیکی، ایمانداری حلم، پرہیزگاری وغیرہ (گلتی ۵: ۲۲)

بہت سے لوگ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اپنی خُوبیوں کو ہم دُوسروں کی ذات میں تلاش کرتے ہیں اور اُنہیں حاصل کرنے کی خُود بھی خواہش کرتے ہیں۔ پھر کیا اِن میں کوئی ایک خُوبی بھی ایسی ہے جو یسُوع مسیح کی ذات میں پُورے طور پر موجُود نہیں۔

خُداوند یسُوع مسیح ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ خُدا بھی ایسا ہی ہے اور وُہ اپنے آپ کو خُداوند یسُوع مسیح کی ذات میں ظاہر کرنا چاہتا ہے کیونکہ ہم ہر ایک چیز انسانی زندگی کے توسّل سے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے جب خُدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو اُس نے

بھی ایک انسانی زندگی ہی کا انتخاب کیا اور یہ انسانی زندگی خداوند یسوع مسیح کی ذات تھی اور اُس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بھی خُدا کی طرح بننے کی کوشش کریں۔ ایک انسان اُس وقت انسان بنتا ہے جبکہ وُہ اپنے اندر خُدا کی صفات پیدا کرتا ہے اور اُس کی اطاعت میں زندگی گزارتا ہے۔ ہمیں خُدا کے بتائے ہُوئے اصُولوں کا مطالعہ صرف اپنے اذہان ہی سے نہیں کرنا ہے بلکہ اِن کا علم ہمارے لئے ایک عملی چیلنج ہے۔ چنانچہ نئے عہد نامہ کی تعلیم خُدا کو جاننے اور پہچاننے کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے "جن کے باعث اُس نے ہم سے قیمتی اور نہایت بڑے بڑے وعدے کئے ہیں تاکہ اُن کے وسیلہ سے تم اُس خرابی سے چھوٹ کر جو دُنیا میں بُری خواہش کے سبب سے ہے ذاتِ الٰہی میں شریک ہو جاؤ۔" (۲۔پطرس ۱:۴)۔ الوہیت کے فلسفہ کا مطالعہ کوئی ایسی شے نہیں جو ہمارے ناقص خیالات میں سما نہ سکے اور ہماری زندگیوں کو متاثر نہ کر سکے۔ خُدا کا جاننا ہی ایک چیلنج کی صُورت کا حامل ہے۔ اگر ہمیں اُس کے متعلق کچھ بھی صداقت معلُوم ہو جاتی ہے تو ہمیں فوراً اُس کی اُس خواہش کے مطابق کہ ہم بھی اُس جیسے بن جائیں اُسے منظُور کر لینا چاہیئے۔ لیکن کیا یہ ہمارے لئے بہت مشکل کام نہیں ہے؟ ہم جو کمزور اور ناتواں مخلوق ہیں اِس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہیں؟ اِن سوالوں کو اِس طرح کرنے سے تو گویا ہم اِن باتوں کو صحیح طریقے پر معلُوم کرنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ دراصل سوال یہ نہیں

ہونا چاہیئے کہ ہم اس بارے میں کیا کر سکتے ہیں بلکہ یہ ہونا چاہیئے کہ
خُدا نے خُود اس کے متعلق کیا کچُھ کیا ہے؛ ہم دیکھتے ہیں کہ خُدا خُود
انسان کی طرف بڑھتا ہے کیونکہ وُہی انسان کو زندگی عطا کرتا ہے۔
وُہ خُود ہم سے نُور کی صُورت میں ملتا ہے اور ہم پر ظاہر ہونا چاہتا
ہے کہ اگر ہم اُس کی مانند بننے کی کوشش کریں تو پھر وُہ ہمیں ماضی کی
آلائشوں سے پاک کرے گا۔ وُہ ہمیں اپنی لازوال قوّت کے ذریعہ ایک
نئے انسان کی صُورت میں بدل سکتا ہے۔ ہم اپنے آیندہ ابواب
"خُدا محبّت ہے" اور "خُدا رُوح ہے" میں یہ بتانے کی کوشش کریں
گے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ خُدا نے کیا کیا اور خُدا اب کیا کر رہا ہے
تاکہ ساری چیزیں اُس کی مرضی کے تابع ہوں۔

---

CENTRAL REFERENCE LIBRARY ★ PACTEE

# باب چہارم

## خُدا محبّت ہے

بائبل مقدّس میں محبت کا کیا مفہوم ہے؟ درا صل کلام مقدّس کا لُبِ لُباب ہی یہ تین الفاظ ہیں "خُدا محبت ہے"۔ خُدا کی صفت بیان کرنے کے لیئے اِن تین الفاظ سے زیادہ مُختصر، سادہ اور جامع الفاظ ممکن نہیں پھر بھی بہُت سے مسیحی ان الفاظ کے معانی سمجھنے میں بڑی دِقت محسُوس کرتے ہیں۔ بالخصُوص اُس وقت جب اُنہیں کوئی تلخ تجربہ ہوتا ہے یا وُہ کسی غم و اندوہ سے دوچار ہوتے ہیں۔

اصل مشکل یہ ہے کہ لوگ محبّت کے بارے میں غلط تصوّر رکھتے ہیں اور اپنے اس تصوّر کو مسیحی عقیدے سے منطبق کرنا چاہتے ہیں جس سے وُہ غلط اور عجیب و غریب نتائج پر پہنچتے ہیں جب بھی لفظ محبّت استعمال ہوتا ہے، لوگ اسے اس کیفیّت کے مترادف تصوّر کرتے ہیں جو کسی سے محبّت کرنے کے سِلسلہ میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیفیّت کے دوران احساسات بڑے شدید ہو جاتے ہیں۔ اتنے شدید کہ وقتی طور پر ساری دُنیا انہی احساسات کا عکس دِکھائی دیتی ہے اور ان کے علاوہ دُنیا میں

کوئی بھی اَور چیز اہم نہیں رہتی ۔ ایک بُرائی کہاوت ہے کہ محبّت اندھی ہوتی ہے ۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ جذبات و احساسات تو اندھے ہو سکتے ہیں لیکن محبّت اندھی نہیں ہوتی ۔ اس کی آنکھیں ہر وقت کُھلی رہتی ہیں ۔ اگر والدین اپنے بچّوں کو اپنے لاڈ و پیار سے خراب کر دیتے ہیں تو اُنہیں بدتمیز، بداطوار اَور بداخلاق بنا دیتے ہیں اَور اُن کی کوئی بُرائی اُنہیں نظر نہیں آتی ۔ ماں باپ کی اس محبّت کو سچّی محبّت نہیں کہہ سکتے ۔ اس محبّت میں دانش مندی کا شائبہ تک نہیں ہوتا ۔ چنانچہ اگر ہم اس جُملہ کے معنی سمجھنا چاہیں کہ "خُدا محبّت ہے" تو ہمیں اس قسم کے خیالات اپنے اذہان سے ہمیشہ کے لئے نکال دینے چاہئیں ۔

بائبل مُقدّس کے مطابق محبّت کا زیادہ تعلّق احساسات کے بجائے ارادہ اَور عمل سے ہے ۔ اس میں احساسات بھی شامل ہیں لیکن احساسات محبّت کا مرکزی نُکتہ نہیں ہوتے ۔ بائبل مقدّس میں محبّت کا مطلب ایک ایسی سنجیدہ خواہش سے ہے جو دُوسروں کے ساتھ نیکی اَور بھلائی کرنے سے تعلّق رکھے ۔ محبّت کا مطلب یہ ہے کہ ضرُورت کے وقت امداد کی جائے اَور حفاظتی سرگرمیوں میں کوشاں رہے ۔

نیک سامری کی مثال سے محبّت واضح طور پر عیاں ہے جب اُس سامری نے زخمی آدمی کو پڑے ہُوئے دیکھا تو وہ فوراً اُس کی مدد کو پہنچا ۔ محض رحمدلی کے نیک جذبات ہی کافی نہ تھے بلکہ جس

چیز کی ضرورت تھی وُہ "عمل" تھا جس سے ایک زندگی کو بچایا جائے۔ یسُوع نے یہ مثال دے کر ہمیں صرف یہ ہی نہیں سمجھایا ہے کہ ہمیں کس طرح عمل کرنا چاہیئے بلکہ یہ بھی سمجھایا ہے کہ خُدا کیا پسند کرتا ہے اور ہم پر ظاہر اور واضح کر دیا ہے کہ خُدا بھی بچانے کے لئے عمل کرتا ہے۔

اس طرح ہمارا پہلا اصُول یہ ہے کہ خُدا کی محبّت خُدا کے نیک اور مُتبرّک ارادے ہیں اور ساتھ ہی اُس کا عمل بھی ہے کہ وُہ ہمیشہ اُن لوگوں کی مدد کو پہنچتا ہے جنہیں اُس کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ خُدا نے خُود ہمارا انتخاب کیا ہے۔ اُس کی یہ بھی خواہش ہے کہ وُہ بنی نوع انسان کا خُدا بنے اور چونکہ اُس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اس لئے ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ وُہ ہمیں کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ وُہ جو کچھ بھی کرتا ہے اُس کا ہر کام اُس کے اِس مقصد کا ایک حصّہ ہوتا ہے کہ وُہ انسانوں کا خُدا بنا رہے اور اُنہیں وُہ سب کچھ دیتا رہے جو سچ مچ اُن کی بھلائی کے لئے ضروری ہے۔

## خُدا کی محبت اُس کے عمل میں:۔

خُدا کی محبت اس سے ظاہر ہے کہ وُہ اپنی مخلوق کی دن رات نگرانی کرتا ہے۔ بائبل مقدس میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ ہے مگر سب سے زیادہ شاندار اور واضح طریق پر ایوب نبی کی کتاب کے آخری چار ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔

اس میں صرف یہ ہی نہیں بتایا گیا کہ خُدا قادرِ مُطلق ہے بلکہ یہ کہ وُہ اپنی بنائی ہُوئی اس دُنیا میں وُہ سب کام کر سکتا ہے جو وُہ چاہتا ہے۔ وُہ ہر جاندار کی ہر وقت نگرانی اور حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وُہ اُن پرندوں اور درندوں کی بھی نگرانی کرتا ہے جو ایسے دُور دراز جنگلوں اور ریگستانوں میں بستے ہیں جہاں ابھی تک حضرتِ انسان نے قدم نہیں رکھا۔ وُہ اُن جانداروں میں دلچسپی لیتا ہے اور وُہ اس سے لُطف اندوز ہوتا ہے کہ وُہ اُس کی عطا کی ہُوئی نعمتوں کا استعمال کرتے ہیں۔

پھر خُدا کی محبت کا مظاہرہ اُس کے اس عمل میں بھی بدرجہ اُتم موجود ہے جس کے تحت وُہ اپنی تمام مخلوق کی ہر ضرورت کو پُورا کرتا ہے جیسا کہ زبور میں ارشاد ہے کہ "سب کی آنکھیں تجھ پر لگی ہیں تُو اُن کو وقت پر اُن کی خوراک دیتا ہے" (زبور ۱۴۵: ۱۵) اور نئے عہد نامہ میں مرقوم ہے "چنانچہ اُس نے مہربانیاں کیں اور آسمان سے تُمہارے لئے مینہ برسایا اور بڑی بڑی پیداوار کے موسم عطا کئے اور تُمہارے دلوں کو خوراک اور خوشی سے بھر دیا" (اعمال ۱۴: ۱۷) ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دُنیا ایک خاصی خطرناک جگہ ہے۔ یہاں کبھی بے پناہ بارش ہوتی ہے اور کبھی خشک سالی۔ ہمیں ہر سال کے لئے یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ اب کے فصل ضرور اچھی ہو گی پھر بھی قدیم ترین قوانینِ قدرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بالآخر بارش ہوتی ہے۔ گھاس، غلہ اور پھل پیدا

ہوتے ہیں اُن انسان اور حیوان بہرطور زندہ رہتے ہیں۔ خُدا کی محبّت کا اپنی پیدا کردہ مخلُوق کی جانب بہ نگرانی اور توجہ کا مسلسل اور زندہ و پائندہ ثبُوت ہے۔ اُس کی محبت کا مظاہرہ اس طریق کار میں بھی ہے جس کے تحت وُہ انسانوں کی تاریخ پر حکمرانی کرتا ہے۔ وُہ بالخصوص اُن لوگوں کی نگرانی کرتا ہے جنہیں وُہ منتخب کرتا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چُکے ہیں۔ محبت کا صرف یہ مفہُوم نہیں ہے کہ ہم اپنے بچّوں کو وُہی چیزیں دیں جن کا وُہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ محبت، لاڈ اور پیار کا نام نہیں ہے بلکہ محبّت میں سخت گیری بھی ہوتی ہے۔ حقیقی محبت تو ہمیشہ سخت گیر ہوتی ہے۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت کی جائے وُہ زیادہ سے زیادہ اچھّا ہو اور اچھّا بن جائے۔ چنانچہ اپنے محبُوب کے عیُوب اور نقائص دُور کرنے کے لئے جتنے بھی سخت اقدامات کئے جائیں وُہ جائز ہیں۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ چونکہ وُہ خُدا کے محبُوب ہیں اس لئے خُدا اُنہیں اُن کے گناہوں پر محض ہلکی سی سرزنش کرے گا اور ہمیشہ ہر حال میں اُن کی حفاظت کرے گا لیکن خُود نبی کے پیغام میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ یہ تصوّرِ حقیقت کے قطعاً خلاف ہے۔ عامُوس نبی فرماتا ہے کہ "دُنیا کے سب گھرانوں میں سے مَیں نے صرف تُم کو برگزیدہ کیا ہے، اس لئے مَیں تُم کو تمہاری ساری بدکرداری کی سزا دُوں گا۔" (عامُوس ۳ : ۲) نیا عہدنامہ ہمیں یہ بتاتا ہے "کیونکہ وُہ وقت آ پہنچا

ہے کہ خُدا کے گھر سے عدالت شروع ہو اور جب ہم ہی سے شروع ہوگی تو اُن کا کیا انجام ہوگا جو خُدا کی خوشخبری کو نہیں مانتے۔" (۱ پطرس ۴: ۱۷)

اسی طرح بائبل مقدس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خُدا اپنی محبت کے لئے جن لوگوں کا انتخاب کرتا ہے اُنہیں کو سب سے زیادہ رنج و مصائب بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اور اُنہیں کے ساتھ سخت برتاؤ بھی کیا جاتا ہے۔

چنانچہ بنی اسرائیل کو ہلاکت خیز تباہیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ یروشلیم کو اُس کے دُشمنوں نے برباد کر دیا اور اُس کے شہریوں کو قیدی بنا کر دُور دراز ملکوں میں لے گئے۔ عبادت گاہیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قیامت کا وقت آ پہنچا ہے، لیکن اس کے باوجود لوگ کُلّی طور پر نیست و نابود نہ ہوئے۔ یہ ایک انتہائی تعجب انگیز حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل آج بھی ایک قوم کی حیثیت سے موجود ہیں اور وہ اپنے آبائی وطن میں واپس آ گئے ہیں۔ گذشتہ زمانے پر نظر ڈالتے ہوئے اب وہ اپنی قدیمی تاریخ سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔

یہ خُدا کی رحمدلی اور اُس کے انصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ نحمیاہ (۴۴۴ ق۔م) یُوں کہتا ہے "تُو وہ خُدا ہے جو رحیم و کریم، مُعاف کرنے کو تیار اور قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے۔ سو تُو نے اُن کو ترک نہ کیا۔" (نحمیاہ ۹: ۱۷)

## وہ تحفہ جو خُدا کی محبت نے ہمیں عطا کیا:۔

خدا کی محبت کا مظاہرہ اُس کی اس دیکھ بھال اور نگرانی میں بھی موجود ہے جو وہ ہر جاندار کی کرتا ہے۔ پھر اُس کی اس نگرانی اور دیکھ بھال کا مظاہرہ اس آزادی میں مُضمر ہے جو اُس نے ہر جاندار کو عطا کر رکھی ہے۔ اُس نے ہمیں آزاد پیدا کیا ہے۔ وہ کبھی ہماری آزادی کو سلب نہیں کرے گا۔ لیکن وہ کبھی ہمیں اپنی محبت اور اطاعت کے لئے بھی مجبور نہیں کرے گا۔ اُس کی خواہش صرف یہ ہے کہ ہم اُس کی محبت کے عوض اُس سے محبت کریں۔ وہ اس میں بھی کوئی مداخلت نہیں کرتا بلکہ ہمیں اس معاملہ میں بھی آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ ہمارا جی چاہے تو ہم اُس سے محبت کریں ورنہ نہ کریں۔ اُس نے سب کچھ ہماری مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔

بلاشبہ ہماری آزادی کی بھی حدود مقرر ہیں۔ اس دُنیا میں اور ہماری زندگیوں میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جنہیں ہم کبھی تبدیل نہیں کر سکتے مثلاً ہم اپنے بالوں یا آنکھوں کا رنگ نہیں بدل سکتے۔ اگر ہم سُریلی آواز سے محروم ہیں تو ہم کسی طرح بھی اُسے اس دُنیا میں حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر ہم ایک خاص مُلک میں ایک خاص قوم کے فرد کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ایسے حقائق ہیں جنہیں ہم بدل نہیں سکتے۔ ہمارے پس منظر میں سینکڑوں پُشتوں کی تاریخ ہے اور سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کا اثر، اُن کا خون، اُن کی عادات اور اطوار و خصائل کچھ نہ کچھ ضرور ہم میں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ

اور اسی قسم کی چند اور باتیں ایسی ہیں جو ہماری آزادی کو محدود کرتی ہیں۔ پھر بھی ہم کئی لحاظ سے آزاد ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں بہت سی باتوں کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص ہر روز سینکڑوں باتیں از خود اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے معاملات ہوں یا بڑے۔ ہم اپنے لئے اُن کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہی انتخاب ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ ہماری اس شخصیت میں تمام تر انہی باتوں کا عمل شامل ہے جن کا انتخاب ہم نے اپنی خوشی سے ماضی میں کیا ہے۔ یہ آزادی دے کر خدا نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم اُس کا حکم ماننے سے بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ہم اُس کے احکام اور اُس کی مرضی کے خلاف بھی عمل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا تمام تر انحصار خدا ہی پر ہے تاہم ہم اُس کی مرضی اور اُس کی حفاظت کے بغیر ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم اُس کی عطا کردہ قوت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اگر ہم گناہ کرتے ہیں تو ہم اپنی مرضی سے اُس کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہم گناہ بھی نہیں کر سکتے تھے اگر وہ ہمارے سامنے اچھائی اور بُرائی دونوں نہ رکھ دیتا اور ہمیں اس بات کی آزادی نہ دے دیتا کہ ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کریں۔

اس سلسلہ میں ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے گناہوں کا ذمہ دار بھی خدا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ خدا نے ایک ایسی دنیا بنائی ہے جس میں گناہ کا ارتکاب ممکن ہے بلکہ۔ سوال یہ ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے؟

اس کا جواب جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خُدا انسانوں کی آزادی کا خواہش مند ہے اور وُہ چاہتا ہے کہ انسان پُوری آزادی کے ساتھ اُس کی محبت اور فرمانبرداری کا انتخاب کرے۔ یہ آزادی چاند، سُورج اور ستاروں کو میسر نہیں۔ وُہ تو اُسی طرح گردش کرتے ہیں جیسے کہ خُدا نے روزِ اوّل سے اُن کے لئے مقرر کیا ہے۔ حیوانات بھی اپنی ازلی فطرت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وُہ اپنی فطرت سے مختلف بننے کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ ایک شیر ہمیشہ شیر ہی رہتا ہے۔ وُہ روزِ ازل سے آج تک اپنی عادت پر قائم ہے۔ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہم ایک شیر کو اس معاملہ میں ہرگز بُرا نہیں کہہ سکتے کہ وُہ دُوسرے جانوروں یا انسانوں کو کیوں پکڑتا اور مار ڈالتا ہے لیکن انسان کے معاملہ میں خُدا کچھ اور ہی چاہتا ہے۔ اُس نے انسان کو ہر چیز کے انتخاب کرنے کی قُوّت اور آزادی بخشی ہے اور آزادی کے تحفہ کے ہمراہ ہمیشہ ایسے امکانات بھی ہیں جن سے معاملات غلط ہو جائیں اور آزادی کا استعمال غلط کیا جائے۔

اس بات کو ہم زیادہ بہتر طریق سے اُس وقت سمجھیں گے جب ہم انسانی زندگی کا گہرا مطالعہ کریں گے تاہم اس طریقہ کو دیکھیں جس سے والدین اپنے بچّوں کی پرورش کرتے ہیں۔ بچّوں کی نشوونما کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین اُنہیں اپنے طور پر کام کرنے اور فیصلے کرنے دیں اور اُنہیں ہر معاملے میں آزادی دیں اگرچہ

اس آزادی کے ساتھ ہمیشہ چند خطرات بھی ضرور وابستہ ہوتے ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان میں دو مسیحی مشنری اپنے آٹھ اور نو سال کی عمر کے دو بچوں کو، اپنی جائے قیام سے، جو ایک پہاڑی پر واقع تھی، سائیکلوں پر قصبہ میں اپنی ڈاک لینے کے لئے بھیجا کرتے تھے لیکن بعض ہندوستانی والدین پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنے بچوں کو اس قسم کے خطرے میں پڑنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے کون اپنے بچوں سے زیادہ محبت کرتا ہے؟ وہ والدین جو اپنے بچوں کو خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے پلنے اور بڑھنے کی آزادی دیتے ہیں یا وہ جنہوں نے اپنے بچوں کی آزادی سلب کر رکھی ہے؟

اسی طرح خدا نے ایک ایسی دنیا کو تخلیق کر کے، جس میں انسان کو کسی حد تک آزادی حاصل ہو لیکن انسانوں نے بری باتوں کا انتخاب کر لیا اور گناہ اس دنیا میں داخل ہو گیا۔ اب یہ گناہ ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا جزو بن گیا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو گناہ سے پاک و صاف ہو۔ کوئی شخص یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا، کوئی غلطی نہیں کی، اور جو یہ دعوے کرتا ہے ہمیں اُس کے دعوے پر ہرگز یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ ہم ایسا دعوے کرنے والے کی اس بات پر تعجب ضرور کریں گے کہ وہ اپنی اُن غلطیوں اور گناہوں کو دیکھنے کے معاملے میں اس درجہ اندھا

کیوں ہے حالانکہ دُوسرے لوگ اُس کی ان کمزوریوں کو بالکل صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

## شفقت، رحم اور عفو کی صورت میں محبت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی دُنیا کی جانب جس میں گناہ داخل ہو چکے ہیں اور ایسے انسانوں کی جانب جنہوں نے بُری باتوں کا انتخاب کر لیا ہے، خُدا کا کیا رویّہ ہے؟ اس سوال کا سب سے پہلا جواب جو ہمارے ذہن میں آتا ہے، یہ ہے کہ خُدا یقیناً ان باتوں سے ناراض ہو گا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ہم ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی انسان گناہ کرتا ہے وُہ خُدا سے ضرور خوفزدہ ہو جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کے وجُود پر یقین نہ لائے یا یہ سوچے کہ جو کچھ اُس نے کیا ہے خُدا نے اُسے نہیں دیکھا۔" وُہ اپنے دِل میں کہتا ہے خُدا بھُول گیا ہے۔ وُہ اپنا مُنہ چھُپاتا ہے وُہ ہرگز نہیں دیکھے گا۔" (زبُور ۱۰: ۱۱) لیکن جب وُہ یہ کہتے ہیں تو اُن کا ضمیر اُن پر ملامت کرتا اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ پاک صحیفے ان حقائق کا مقابلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ وُہ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ خُدا کی محبت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور وُہ گنہگاروں سے بھی محبت کرتا ہے لیکن وُہ محبت جو گنہگاروں سے کی جاتی ہے اُس کا اپنا خصوصی کردار ہے اور ہمیں اب اُسے بھی ضرور سمجھنا چاہیئے۔ بائبل مقدس میں اس خصوصیت کو تین

الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ شفقت، رحم اور عفو۔ شفقت اُن لوگوں کے ساتھ محبت کا نام ہے جو اُس کی محبت کے کسی طور پر مستحق نہیں ہوتے۔ اگر ہم ہمیشہ خدا کے احکام کی پابندی کریں اور کبھی کوئی غلطی نہ کریں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم خدا کی محبت کے مستحق ہو گئے ہیں۔ جب لوگ گناہ کرتے ہیں، اور انہیں اس کا احساس ہوتا ہے تو وہ خدا کی حمایت و شفقت حاصل کرنے کے لئے اچھے کام کرتے خیرات دیتے یا اپنے آپ کو مختلف قسم کی سزائیں دیتے ہیں۔ اس طرح اُن کی زندگی بڑی تلخ ہو جاتی ہے کیونکہ انہیں یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی یہ یقین نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکے ہیں یا نہیں؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں پھر بھی اُس قدر نہیں کر سکتے کہ اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکے۔ اگر ہم گناہ کرتے ہیں تو ہم خدا کی حمایت حاصل کرنے کے کبھی اہل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہ ہمیں قبول کرتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک مہربان خدا ہے۔ وہ ہم سے اس لئے محبت نہیں کرتا کہ ہم اچھے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ خود اچھا ہے۔

خدا کے رحیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانوں کو سزا دینا یا انہیں بے سہارا چھوڑنا نہیں چاہتا۔" کیونکہ وہ بنی آدم پر خوشی سے دُکھ مصیبت نہیں بھیجتا" (نوحہ ۳: ۳۳) اُس کی صرف یہ خواہش ہے کہ انسان دوبارہ اُس کی طرف رجوع کرے اور زندہ رہے۔

"خداوند خدا فرماتا ہے "کیا شریر کی موت میں میری خوشی ہے اور اس میں نہیں کہ وہ اپنی روش سے باز آئے اور زندہ رہے؟ کیونکہ خداوند خدا فرماتا ہے، مجھے مرنے والے کی موت سے شادمانی نہیں اس لئے باز آؤ اور زندہ رہو" (حزقی ایل ۱۸: ۲۳ و ۳۲)۔ خدا کا صحیح تصور ایک گلہ بان کی مانند ہے جو ویرانے میں اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ کی تلاش میں نکلا ہے۔

خدا کے عفو کا مطلب یہ ہے کہ گناہ میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ انسان کو خدا سے جدا کر سکے۔ گناہ ہمیشہ انسان کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے لیکن عفو اور بخشش گناہ کے اثرات کو زائل کر دیتی ہے۔ جس شخص کو معاف کر دیا گیا ہو اُسے کوئی خوف و ہراس نہیں رہتا کیونکہ جو اُسے معاف کرتا ہے وہ اُس کے گناہوں کا کبھی خیال نہیں کرتا اور اُس کی شراکت و رفاقت بحال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ خود اپنے خاندانوں میں اس قسم کے تجربات کے پیش نظر یہ یقین کر سکتے ہیں کہ ایسا ہونا ممکن اور درست ہے؛ لیکن کیا خدا ایسا ہی درگذر کرنے والا خدا ہے؟ ہم یہ بات کس طرح جان سکتے ہیں؟

اس بارے میں بھی ہمارا جواب خداوند یسوع مسیح کی زندگی ہے اور اُس کی صلیب اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ خدا فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ اُس نے ہماری خاطر اپنی جان دے دی کیونکہ خدا سراپا

محبّت ہے۔ اُس نے ہمیں ایک ہی وقت میں اَور ایک ہی مقام پر یہ دکھا دیا ہے کہ خُدا ابتدا سے کیا ہے اَور انتہا میں کیا ہوگا۔ اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو یہاں ہم اپنے اُس سوال کا جواب پا لیتے ہیں کہ ہم اَن دیکھے خُدا سے کیسے محبت کر سکتے ہیں۔ تمام نبیوں نے اس سوال کا جواب ایک ہی طرح دیا ہے کہ وُہ خُداوند یشوع مسیح کی صلیب ہی ہے جس نے اُنہیں خُدا سے یُوں محبت کرنا سکھایا، کیونکہ اگر اُنھوں نے درحقیقت ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے تو کیا ہم اُس کے بدلے میں صرف اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اُس کے ساتھ محبت کریں۔ احسان مندی، شکرگزاری، سپردگی اَور تابعداری ہی ایسے عناصر ہیں جو ایک مسیحی کو خُدا سے محبت کرنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

## وُہ خُدا جو فی الحقیقت گنہگاروں سے محبّت کرتا ہے:۔

ہمیں اس امر کو مزید تفصیل سے دیکھنا ہوگا کہ خُداوند یشوع نے اپنی موت سے ہمیں خُدا کے بارے میں کیا سکھایا ہے۔ اُنہوں نے ہمیں بالکل واضح طور پر یہ بتا دیا ہے کہ خُدا حقیقتاً گنہگاروں سے محبت کرتا ہے؛ "لیکن خُدا اپنی محبت کی خُوبی ہم پر یُوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مُوا۔" (رومیوں ۵: ۸) لیکن اکثر لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے۔ وُہ کہتے ہیں کہ خُدا اپنے گنہگار بندوں سے اُس وقت محبّت کرتا ہے جب وُہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اچھے انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کلام مقدس یُوں نہیں کہتا۔ یشوع گنہگاروں کا دوست سمجھا جاتا تھا اور پھر پہلی ہمیشہ

خُدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ وُہ ویرانے میں کھو جانے والی بھیڑ کا انتظار نہیں کرتا بلکہ خُود اُس کھوئی ہُوئی بھیڑ کی تلاش اور نگرانی کے لئے ویرانے میں جاتا ہے۔ یہی چیز ہماری اُمید بندھاتی ہے ہم میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ چُونکہ مَیں نے اس قدر زیادہ گُناہ کئے ہیں کہ اب خُدا مجھ سے محبّت نہیں کر سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خُدا بڑے سے بڑے گنہگار سے بھی آخر تک محبّت کرتا ہے تاکہ وُہ دوبارہ اُس کی جانب رجُوع کر سکے۔

خُدا کا مقصد یہ ہے کہ وُہ ہمیں انسان کی صحیح فطرت عطا کرے اور جیسا کہ ہم دیکھ چُکے ہیں ہم اُس وقت تک صحیح معنوں میں انسان نہیں بن سکتے جب تک کہ ہم خُدا کے ساتھ دُرست قسم کا تعلق نہ قائم کریں۔ یسُوع مُوا اور پھر مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ مقدس پولُس اس کے متعلق یُوں بتاتا ہے کہ یہ اس لئے ہُوا کہ ہمیں بھی مرنا اور پھر زندہ ہو جانا ہے۔ یہی بپتسمہ کا مطلب اور صحیح خلاصہ ہے (ملاحظہ ہو رُومیوں ۶: ۱-۱۱) بپتسمہ لینے کا مطلب مسیح میں مرنا، اُس کے ساتھ دفن ہونا، اُس کے ساتھ زندہ ہونا اور نئی زندگی پانا ہے۔ یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، اگر بپتسمہ کے ذریعہ سے ہو، کیونکہ اُسے جو بپتسمہ پاتا ہے پانی کی تہ تک نیچے جانا پڑتا ہے۔ گویا وُہ اُس کے اندر دفن ہو گیا۔ چنانچہ اکثر انتہائی سادہ لوح لوگ بھی اسے موت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جب اُن سے خُداوند مسیح پر ایمان لانے سے

پہلے کی زندگی کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو وُہ کہتے ہیں کہ "وُہ مر گئی" لیکن موت کیا ہے؟ وُہ کیا شے ہے جس کی طرف ہمیں مرنا پڑتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری اپنی مرضی ـــــ یسُوع نے "اپنی مرضی" کو مکمل طور پہ تج دیا تھا تاکہ اپنے باپ کی مرضی کو پُورا کرے۔ "مَیں آسمان سے اس لئے نہیں اُترا ہُوں کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کرُوں بلکہ اس لئے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کرُوں" (یُوحنا ۶: ۳۸، ۴: ۳۴) گناہ کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کی مرضی کو نظرانداز کر کے اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے اور اپنی خواہش کو پُورا کرنے کی سعی وجستجو کی جائے۔ یہ فراموش کر دینا کہ خُدا ہم سے کیا کام لینا چاہتا ہے اور خُدا کو اپنی تمام سرگرمیوں کا محور بنانے کی بجائے اپنی دُنیا کو خُود محور بنانا گُناہ ہے، لہٰذا ہمیں اُس کی موت میں مرنا اور مر کر پھر زندہ ہونا ضرُور ہے۔ یسُوع نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ہمیں کیسے مرنا ہے۔ اُس نے ہمیں پُوری اُمید دی ہے کہ ہم دوبارہ نئی زندگی میں اُٹھ سکتے ہیں۔

جب ہم اُس پر یقین اور اعتماد کریں گے اور اُسے اپنی زندگی میں کام کرنے دیں گے تب وُہ ضرُور ہماری اندرونی موت اور اندرونی قیامت (مُردوں میں سے جی اُٹھنا) کو حقیقت کر دکھائے گا۔ تب ہم دیکھیں گے کہ ہم ایک نئے انسان بن گئے ہیں اور تابعداری کے لائق ہو کر خُدا کی مرضی کو پُورا کرنے کے اہل ہو گئے ہیں۔

ہم بتا چکے ہیں کہ خُدا لاتبدّل ہے۔ اُس کی مرضی اور منشا میں کوئی

تبدیلی نہیں واقع ہوتی۔ وُہ انسانوں کے لئے ہمیشہ نیک تمنائیں رکھتا ہے اور ان لوگوں کی رفاقت پسند کرتا ہے جو از خود اپنی مرضی سے اُس کی اطاعت اور محبّت کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خُدا کی محبّت کا مطلب یہ ہے کہ وُہ انسانوں کو کبھی بے سہارا نہیں چھوڑتا اور اگر ہم اُس کے ساتھ مخلص ہوں تو وُہ ہمیں ہماری منزل تک جسے ہم جنّت کہتے ہیں ضرور پہنچائے گا۔ جنّت یا بہشت وُہ مقام ہے جہاں ہمیشہ خُدا کی مرضی کارفرما ہوتی ہے ہم روزانہ اپنی دُعا میں یہ کہتے ہیں کہ "تیری مرضی جیسی آسمان پہ پُوری ہوتی ہے زمین پہ بھی ہو"۔ اُس دُنیا میں سب خُوش و خُرّم ہیں کیونکہ وہاں اُنکی مرضی اُس سے وابستہ اور اُس کے تابع ہے۔ وُہ وُہی کام کرنا پسند کرتا ہے جو وُہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی رضا کو مقدّم رکھنا ہی اُن کی عین خُوشی ہے۔
اُس جہان اور اس جہان کے مابین یہ فرق ہے کہ یہاں ہماری مرضی مکمّل طور پر خُدا کی مرضی سے ہم آہنگ نہیں ہوتی۔ ہم اپنی مرضی کے تحت بڑی آسانی سے خُدا کی مرضی کے خلاف عمل کرنے لگتے ہیں۔ ایک قطب نما ہمیشہ مقناطیس کی طرف رہے گا۔ اگر ایک لوہے یا فولاد کے ٹکڑے کو اُس کے نزدیک رکھیں تو وُہ فوراً اپنے صحیح مرکز سے گھوم جائے گا۔ اسی طرح ہماری اپنی خواہشات بھی نہایت آسانی سے خدا کی طرف سے ہٹ جاتی ہیں۔ یہاں ہم بیک وقت دو دُنیاؤں میں رہتے ہیں۔ ایک طرف خُدا کی محبّت اور اُس کی اطاعت کی دُنیا ہوتی ہے اور دُوسری

طرف وہ دُنیا جس میں انسان اپنی مرضی اور خوشی میں منہمک رہ کر خدا کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس لئے ایک مسیحی کی زندگی ہمیشہ ایک باہمی تصادم کی زندگی ہوتی ہے، اسی لئے ہم سے کہا گیا ہے کہ "ایمان کی اچھی کشتی لڑ" (۱۔تیمتھیس ۶ : ۱۲) اسی وجہ سے جب تک ہم زندہ ہیں خدا کی محبت ہمارے لئے اُس کا فضل، رحم اور بخشش ہے اور ہمیں ہمیشہ ایک ایسے خدا کی حاجت ہے جس نے خداوند یسوع مسیح کی موت پر فتح کے ذریعہ اپنے آپ کو ظاہر کیا۔

## وہ انتخاب جو انسانوں کو ضرور کرنا چاہیئے:۔

خدا ہمیشہ تمام انسانوں سے یکساں محبت کرتا ہے اور وہ تمام انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تمام انسانوں کو از خود منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا اور اُنہیں دائمی طور پر اپنی بادشاہی میں جگہ دے گا۔ بہت سے مسیحیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی محبت میں کبھی ناکامی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایک طویل عرصہ تک انسان گمراہ رہے لیکن بالآخر خدا کی محبت ہی فتح پاتی ہے اور تمام انسان منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں لیکن یہاں ہمیں خود سے یہ سوال کرنا ہے کہ کیا نئے عہدنامے کی تعلیم بھی حقیقتاً یہی ہے؟

یسوع نے بنی نوع انسان کو انتخاب کا موقع بخشا ہے لیکن اُس نے نہایت صفائی سے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ انتخاب کا مسئلہ انتہائی

سنجیدہ مسئلہ ہے۔ اُس کے کلام سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو بھی
انتخاب ہم بیان کریں گے اُس کے نتائج ابدی دُنیا میں بھی سامنے آئیں
گے۔ "اور اگر آدمی ساری دُنیا حاصل کرلے اور اپنی جان کا نقصان
اُٹھائے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا۔" (متی ۱۶:۲۶) فیصلے اور سزا کے متعلق
بہت سی کہاوتیں ہیں جن پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ
خُدا نے ہمیں ایسی آزادی بخشی ہے جسے وُہ کبھی ہم سے نہیں چھینے گا۔
پھر یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ خُدا ہم سے کہیں زیادہ دانش مند ہے۔
اُس کے پاس بہت سے ایسے منصُوبے بھی ہیں جن کا ہمیں کوئی علم
نہیں اور جن کے ذریعہ وُہ بالآخر اپنے تمام فرزندوں کو اپنی بادشاہی
میں داخل کرے گا۔ البتہ وُہ انسان کو اپنی بادشاہی تک پہنچنے کے
لئے کبھی مجبُور نہیں کریگا جس طرح اس دُنیا میں ہم خُدا کے احکام سے
انحراف کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض انسان دُوسری دُنیا میں بھی
خُدا کا انکار ہی کرتے چلے جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص خُدا کے
ہر حُکم پر اس طور سے "نہیں" کہتا رہے کہ بالآخر خُدا کو یہ کہنا پڑے
کہ چُونکہ تم آخری بار "نہیں" کہہ چکے ہو اب تم کبھی "ہاں" نہیں کر سکتے۔
لیکن ہمیں اُمید ہے کہ کوئی شخص بھی اس نکتہ تک نہیں پہنچے گا جہاں
وُہ ہمیشہ کے لئے "ہاں" کہہ سکنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔

شاید ان دنوں لوگ اتنی سنجیدگی اور غور و فکر کے بعد کوئی انتخاب

یا فیصلہ نہیں کرتا چاہتے جیسا کہ نئے عہد نامے نے بتایا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ جہنم کے تصوّر نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ بعض مسیحی جہنّم کے بارے میں یہ تصوّر رکھتے ہیں کہ وہ آگ اور اذیت رسانی کا ایک بہت بڑا مرکز ہے اور جب وہ اس قسم کے تصوّرات کی تاب نہیں لا سکتے تو وہ اِس سوال کا جواب معلوم کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ کیا اِن تصوّرات کے بجائے کوئی صحیح تخیّل بھی اِن کی جگہ لے سکتا ہے؟

ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ بہشت کا مفہوم قُربتِ الٰہی، خُدا کا دیدار اُس کی قُربت، اُس کی مانند ہونا اور اُس کی پاک مرضی میں منہمک رہنا ہے۔ اسی طرح دوزخ کا مفہوم خُدا سے علیحدگی، اُس کے قُرب سے دُوری، اُس کے دیدار سے محرُومی اور اُس کی بادشاہت سے خارج ہونا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چُکا ہے کہ خُدا کے ساتھ اگر انسان کے صحیح تعلّقات ہوں تو وہ صحیح اور کامل انسان بن جاتا ہے اور اگر خُدا سے اس کے تعلّقات مُنقطع ہو جائیں تو وہ آدمی پھر انسان ہرگز باقی نہیں رہتا۔ خُدا سے ہمیشہ کے لئے تعلّق مُنقطع ہو جانے کا مطلب ماسوا اس کے اور نہیں ہو سکتا کہ انسان اُن تمام خصُوصیات سے محرُوم ہو جائے جو اُسے انسان کہلانے کی مُستحق بناتی ہیں۔

خُدا کی بادشاہی سے ہر قسم کی شیطنت کو خارج ہونا چاہیئے۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو خُدا کے حُکم اور اُس کی خواہش کے باوجود

اپنی باطنی شیطنت کو دُور نہیں کرتے تو پھر ایک ایسا وقت آئے گا جب خُدا اُنہیں ایک ایسے مقام پہ بحفاظت پہنچا دے گا جہاں وُہ اپنی شیطنت سے نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا سکیں گے نہ دُوسروں کو۔ اس بارے میں ہم یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ وُہ جگہ کس قسم کی ہو گی اور پھر ایک اَن دیکھی دُنیا کے سلسلہ میں "جگہ" کا لفظ استعمال کرنا بھی کچھ موزُوں نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ ضرُور کہہ سکتے ہیں کہ وُہ جو کُچھ بھی ہوگا وُہ اُس قسم کے لوگوں کے لئے موزُوں ترین مقام ہوگا۔

## محبّت کی فتح :-

خُدا محبت ہے۔ محبت دُنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ اگرچہ خُدا ہمیں اپنی قوّت کے ایک اشارے سے ایک لمحہ میں تباہ و برباد کر سکتا ہے لیکن اس ہلاکت اور تباہی کے وقت بھی ہماری مرضی، ہماری اپنی مرضی ہی رہے گی۔ ہم اُس وقت بھی اپنے تباہ کرنے والے کے حکم پر "نہیں" کہہ سکیں گے لیکن صلیب کے عظیم الشان واقع کی صُورت میں خُدا اپنی طاقت اور اختیار کو ایک طرف رکھ کر ہمارے سامنے شرافت اور عجز کا مجسمہ بن کر آتا ہے اُس کی یہ شرافت اور عجز ہماری رہنمائی کر کے ہمیں اپنے غرور اور تکبّر سے نجات دلاتے ہیں اور ہم اُسکی محبت کو قبول کر لیتے ہیں جو ہمارے سینوں میں ایک نُورانی شمع روشن کر دیتی ہے اور یہی اُس کی محبت کی فتح ہے۔

اور ظفریابی محبت ہی کی پابند ہے۔
کیونکہ محبت خُود صلیب پر قربان ہُوئی۔

---

ےؔ فتحمندی

کلیسیا کی تاریخ میں ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اور اپنے گردوپیش کلیسیائی زندگی میں خُدا کی محبّت کا مظاہرہ بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ مسیح خُداوند کی موت خود خُدا کی محبّت کا ایک عظیم ظہور ہے جس نے نفرت ظُلم اور خُودغرضی پر فتح حاصل کی ہے۔ اس واقعہ سے ہمارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ خُدا اور اُس کی حکمرانی تمام اُن چیزوں پر چھا جائے گی جو اُس کے برخلاف ہیں اور اُس کی دائمی بادشاہی ایک ایسی بادشاہی ہوگی جس میں صرف محبّت کی حُکمرانی ہوگی، جس میں اُس کے خادم اُس کی تابعداری بصد خوشی کریں گے کیونکہ وُہ سب اُس (خُدا) سے محبّت کرتے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں خُدا ہے وہاں محبّت ہے۔ اگر کلیسیا رُوئے زمین پر وُہ مقام ہے جہاں خُدا سکونت کرتا ہے تو ہمیں اس جگہ کو محبّت کا مقام بنا دینا چاہیئے اور اس طرح ہم اُس بادشاہی کا آغاز خُود اس دُنیا میں ہی دیکھ سکیں گے جو تمام شیطنت اور بُرائی کے کالعدم ہو جانے کے بعد خُدا کی فتح پر مُنتج ہوگی اور جب ہر طرف اور ہر چیز میں خُدا ہی خُدا جلوہ فرما ہوگا ؛

---

# پانچواں باب

## خُدا رُوح ہے

### رُوح کا مفہُوم

"خُدا رُوح ہے اور ضرور ہے کہ اُس کے پرستار رُوح اور سچائی سے پرستش کریں۔" (یُوحنّا ۴: ۲۴)

اس سلسلے کی آئندہ کتاب میں رُوح القدُس کی تعلیم کے مسئلہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں ہمیں صرف اس عظیم ترین صداقت کا اظہار مقصُود ہے کہ خُدا تعالیٰ رُوح ہے اور اس لئے ہمیں کسی دُوسرے طریقے سے ہرگز نہیں سوچنا چاہیئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رُوح کیا ہے؟ بعض اوقات کسی چیز کے متعلق جو وہ دراصل نہ ہو کچھ کہہ دینا آسان ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اُس کی اصل حقیقت پر کچھ کہنے کی کوشش کی جائے۔ ہماری زندگی میں تین حقیقتیں اس درجہ مستقل شکل اختیار کر چکی ہیں کہ اُن سے ہم کسی صُورت میں فاصلہ، وقت اور جسم میں علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ رُوح نہ فاصلہ ہے نہ وقت ہے اور نہ جسم۔ میرا ایک جسم ہے اور میرا جسم ایک وقت میں ایک جگہ سے زیادہ پر موجُود نہیں ہو سکتا۔ اگر میں یہاں ہُوں تو عین اُسی لمحہ میں کسی دُوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔ میں سوئٹزرلینڈ میں اپنے کمرے میں

بیٹھا ہوا یہ صفحہ ٹائپ کر رہا ہوں جبکہ موسم بہار کے سورج کی کرنیں بتدریج صبح کی کہر کو صاف کر رہی ہیں جس کہر نے آج صبح جب میں بیدار ہوا تھا تو پہاڑ کی چوٹیوں کو ڈھانپ رکھا تھا ۔ میں یہاں ہوں کسی اور جگہ نہیں ۔ میں قطعی طور پر اپنے دروازوں میں بھی مقید نہیں ہوں ۔ میں دوسرے مقامات کے متعلق تصور کر سکتا ہوں اور ٹائپ کرتے وقت بھی میرا خیال دوسرے مقام پہ پہنچ سکتا ہے ۔ میں ہندوستان اور افریقہ کے اُن دوستوں کے متعلق بھی سوچ سکتا ہوں جن کے متعلق مجھے اُمید ہے کہ یہی صفحہ وہ ایک دن مطالعہ کریں گے ۔ چونکہ میں اپنے خیالات یہاں سے بھیجتا ہوں اور اسی جگہ وہ پھر ضرور واپس آجائیں گے ۔

چونکہ یہ میرا دماغ ہے جو یہ باتیں سوچتا ہے اور میرا دماغ میرے جسم کا ایک حصہ ہے ، میں اسی لمحہ موجود ہوں اور کسی دوسرے وقت نہیں اور موجودہ لمحہ مجھے میسر ہے جس میں مجھے اُمید ہے کہ میں یہ صفحہ ختم کرنے تک زندہ رہوں گا لیکن پھر بھی مجھے قطعی طور پر معلوم نہیں اور پھر میں قطعی طور پہ اسی لمحہ کے ساتھ وابستہ بھی نہیں ہوں ۔ میں ماضی کو بھی یاد کر سکتا ہوں ، کوئی ایسی بات جو خدمت کے ان چالیس برسوں میں سیکھی ہے میں خداوند مسیح کی فرمانبرداری کے طور پر اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں ۔ میں مستقبل کے لئے منصوبے بھی باندھ سکتا ہوں ۔ گو میں پختہ طور پہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہیں عملی جامہ پہنانے کے قابل بھی ہوں گا یا نہیں ، لیکن میں اس لمحہ میں وہ کام کر سکتا ہوں جو خدا تعالےٰ نے مجھے عطا کیا ہے ۔

مَیں سے مُراد میرا جسم ہے اور میرے جسم سے مُراد مَیں ہُوں۔ اہلِ یُونان کے ہاں یہ تصوّر نہ تھا۔ وُہ یہ خیال کرتے تھے کہ مَیں سے مُراد میرے خیالات یا میری رُوح ہے۔ جسم محض ایک قبر ہے جس میں میری رُوح کسی طرح کچھ وقت کے لئے مدفُون ہے اور ایک دِن مجھے اس سے رہائی حاصل ہو گی۔ یہ تصوّر مسیحی تصوّر نہیں ہے۔ کتابِ مقدّس یہ تعلیم دیتی ہے کہ "مَیں" سے مُراد میرا جسم، میرے خیالات، میری رُوح اور میری جان ہے۔ لہٰذا مجھ پہ لازم آتا ہے کہ مَیں ان باتوں کو خُدا کے تحفے گردانوں اور کمال سنجیدگی سے اسے قبُول کرُوں۔

آؤ! اب ہم خُدا تعالیٰ کی طرف رجُوع کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہماری اور اُس کی زندگی میں کیا اختلاف ہے۔

خُدا کسی مکان میں مقید نہیں۔ ہم اُس کے متعلق یہ حُکم نہیں لگا سکتے کہ وُہ یہاں ہے یا وہاں ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی حقیقت نہیں ہے کہ وُہ ہر جگہ ہے جبکہ لفظ "مقام" فاصلے کے تعیّن کا حامل ہے یعنی اس سے فاصلے کا تصوّر پیدا ہوتا ہے جو ہم کہہ سکتے ہیں وُہ یہ ہے کہ اگر چاہے تو اس تخلیق کردہ کُرّہ کے کسی مقام پہ ہو سکتا ہے "مَیں تیری رُوح سے بچ کر کہاں جاؤں یا تیری حضُوری سے کدھر بھاگوں؟ اگر آسمان پہ چڑھ جاؤں تو تُو وہاں ہے۔ اگر مَیں پاتال میں بستر بچھاؤں تو دیکھ! تُو وہاں بھی ہے" (زبُور ۱۳۹: ۷-۸)

دُنیا میں کوئی شے بھی خُدا سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہمارا دِل ایک پوشیدہ مقام ہے۔ ہم اپنے خیالات ایک دُوسرے سے پوشیدہ رکھ سکتے ہیں لیکن

خُدا سے نہیں چھپا سکتے، وُہ ہمارے دِلوں اور خیالات کو پُوری طرح سے دیکھتا اور جانتا ہے۔

**خُدا وقت میں محدُود و مقیّد نہیں ہے**۔ کسی شئے کے دو نشان جو فاصلے کے درمیان قائم ہوں، وُہ ظاہر ہوتے اور بدلتے ہیں۔ مَیں وُہ نہیں ہُوں جو کل تھا۔ خُدا آتا نہیں۔ وُہ ہمیشہ ہے۔ گُذرے کل کی طرح آج بھی، اور ہمیشہ تک رہے گا۔ خُدا وقت کا استعمال کرتا ہے۔ وُہ اسے ایسے میدان کی طرح استعمال کرتا ہے جس میں وُہ ہمیں اپنے مقصد کے لئے تربیت دیتا ہے۔ یسُوع مسیح میں خُدا تعالےٰ وقت کی حدُود میں آجاتا ہے اور انسانی زندگی میں ایک انسان کی طرح حِصّہ دار بنتا ہے۔ یسُوع بچپن سے بڑھ کر پُورا آدمی بنتا ہے۔ لفظ داخل ہونا بارہا انجیل مقدس میں اُس کے متعلق استعمال ہُوا ہے لیکن خُدا تعالیٰ اپنی اُلوہیت میں جیساکہ وُہ ہے وقت کی حدُود و تعیّن سے باہر ہے۔ وُہ ابتدا سے انتہا تک نظر رکھتا ہے۔ باقی تمام چیزوں کو تغیّر ہے لیکن خُدا کو نہیں۔

خُدا نے مادے کو تخلیق کر کے اُسے متحرک رکھا۔ وُہ خُود اس میں نہیں نہ اس کا ایک حِصّہ ہے۔ اسی لئے ہمیں کسی تخلیقی شئے کی شکل بنا کر اُس کی پرستش کرنا اور اُسے خُدا کہنا منع ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ مسیح شکل و صُورت میں کیسا تھا۔ مصوّروں اور تصویر کشوں نے اُس کی بے شمار تصویریں بنائی ہیں لیکن اُنھوں نے تصویریں

محض اپنے تخیلات کے زور سے بنائیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی ایک تصویر بھی ویسی نہیں جیسا حقیقت میں یسُوع تھا۔ جب ہم خُدا کے متعلق خیال کرتے یا دُعا مانگتے ہیں تو ہم غالباً اپنے دلوں میں ضرُور ایک تصویر بنا لیتے ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ دراصل اِن میں سے ایک بھی تصویر کم سے کم خُدا کی مثِل نہیں ہے اور جس قدر بہتر ہم دُعائیہ زندگی حاصل کریں گے اُسی درجہ ہم محسُوس کریں گے کہ ہمیں تصویروں کی ضرُورت نہیں ہے۔

## انسان دو عالموں کے درمیان :-

یہاں ہم نے جو کچھ خُدا اور انسان کے متعلق کہا ہے وُہ دُنیا میں انسان کی مُشکلات کے بیان کا ایک پہلو ہے۔ میرا ایک جسم ہے لہذا مَیں مادی دُنیا کا ایک حِصّہ ہُوں لیکن چُونکہ مَیں خُدا کے متعلق بھی جان سکتا ہُوں اس لئے مَیں مکمل طور پر مادی دُنیا سے متعلق نہیں ہُوں۔ پھر مَیں کہاں سے تعلق رکھتا ہُوں؟ انسان کو ایک عظیم بحری اور بری جانور کہا گیا ہے جیسے کہ مینڈک جو خشکی اور تری دونوں میں یکساں طور پر رہ سکتا ہے بلکہ رہتا ہے لیکن حقیقت میں یہ کس عالم سے متعلق ہے؟

ہاں! انسان اگر وُہ چاہے تو ایک چالاک جانور کی طرح رہ سکتا ہے اور اسی طرح اکثر لوگ رہتے ہیں۔ اُن کے تمام خیالات میں خُدا انہیں ہوتا۔ وُہ سمجھتے ہیں کہ یہ مادی دُنیا ہی صرف وُہ دُنیا ہے جو قائم ہے یا جس کے ساتھ اُنہیں واسطہ ہے لیکن جو لوگ اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں وُہ اکثر خُوش اور مطمئن نہیں رہتے۔ ہم خُود بھی اپنے دَور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ

سکتے ہیں کہ اکثر انسان مالدار ہیں، اقبال مند بھی ہیں اور محفوظ بھی لیکن باہمہ اُن کے دل اضطراب و مایوسی سے لبریز ہیں۔ کیوں؟ یہ محض اس وجہ سے ہے کیونکہ انسانی فطرت کا نہایت گہرا حصہ محبت کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور صرف خدا تعالےٰ کی محبت اُسے حقیقی امن اور خوشنودی عطا کر سکتی ہے۔ اگر خدا کو پیار نہ کیا جائے تو وہ اندرونی مقام خالی پڑا رہتا ہے تاہم وہ طویل عرصہ کے لئے خالی نہ رہے گا بلکہ شیطانی ارواح نفرت، خوف اور مایوسی کو لئے ہوئے اس میں اقامت گزیں ہو جائیں گی۔

درحقیقت انسان خدا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

جب یہ اصول مان لیا جائے کہ انسان خدا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جسم بذاتِ خود کچھ نہیں ہے۔ گویا وہ پہلے ہی خدا کی بادشاہی میں پہنچ چکا ہے اور ایسے رہ سکتا ہے جیسے خدا رہتا ہے یا جیسے فرشتے رہتے ہیں۔ اُسے اس کھانے، پینے، کام کرنے، آرام کرنے، خوش رہنے اور فانی دنیا میں رہنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا سے دور بھاگنے میں اس کی نجات نہیں لیکن اطفال اللہ بن کر وہ اس دنیا میں بعافیت بسر کر سکتا ہے۔

مسیحی ہی ایک ایسا آدمی ہے جو ان ہر دو دنیا کو حقیقی طور پر قبول کر سکتا ہے اور بیک وقت دونوں میں رہنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرور اس کی زندگی میں ہمیشہ مقابلہ اور جدّوجہد کرنے والا عنصر موجود رہتا ہے۔ "کیونکہ جسم رُوح کے خلاف خواہش کرتا ہے

اور رُوح جسم کے خلاف - اور یہ ایک دُوسرے کے مخالف ہیں تاکہ جو تُم چاہتے ہو وُہ نہ کرو"۔ (گلتیوں ۵ : ۱۷) رُوح ہمارا وُہ حِصّہ ہے جو خُدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق رہنا چاہتا ہے - اگر ایک آدمی جسم کو اجازت دیدے کہ وُہ رُوح پہ حکمرانی کرے تو وُہ پھر حیوانی سطح پر گر جاتا ہے - وُہ جس قدر زیادہ رُوح کو اختیار دے گا اُسی قدر وُہ اپنی اصلی فطرت کے قریب آجائے گا۔ تب وُہ ایک سچّے انسان کی طرح خُدا کی بادشاہی کے لائق ٹھہرے گا۔

جسم پہ رُوح کی فتح :-

اب ہم اُس سوال کا ایک نئے طریق سے جواب دیں گے کہ خُدا اس دُنیا میں کیا کرتا ہے ؟ ہم یہ کہہ چُکے ہیں کہ وُہ پہلے ہی مشغُول ہے - ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس کی مشغُولیت کا مقصد جسم پہ رُوح کی فتح یابی ہے۔ اس دُنیا میں تخلیق کردہ مخلوقات مختلف زاویوں پہ قائم ہے - ہر ایک مخلُوق بھرپُور اور عُمدہ طریق سے نیچے کی مخلُوق پہ قائم ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں :-

(۱) جمادات - چٹانوں اور پتھروں کی مانند اشیا جو قائم تو ہیں لیکن جاندار نہیں - نہ ہی بڑھتی ہیں نہ ہی اُن سے ایسے بیج کی پیداوار ہوتی ہے جس کے ذریعہ اُن کی مانند دُوسری چٹانیں اُن میں سے نِکل سکیں -

(۲) نباتات پودوں کی مانند اشیا جو زندگی کی حامل بھی ہیں اور اپنی نسل بھی پیدا کرتی ہیں لیکن متحرّک نہیں کہ ایک جگہ سے دُوسری جگہ جاسکیں -

(۳) حیوانات - ایسی چیزیں جو زندگی کے ساتھ متحرّک بھی ہوں چل پھر سکیں

اور اُن میں صلاحیّت بھی ہو۔ (مثلاً مچھلیاں، چرندے، پرندے اور درندے وغیرہ)۔

(۴) انسان:۔ جو زندہ ہے، متحرّک ہے، سوچ سکتا ہے، بولتا اور سُنتا ہے، منصُوبے بناتا ہے اور خود سے باہر رہ کر اپنا اندازہ کرسکتا ہے۔

(۵) خُدا کا فرزند:۔ جو دُوسری سب چیزوں کے علاوہ خُدا کے متعلّق بھی جانتا ہے، اُس سے محبّت کرتا اور اُس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس طرح رُوح میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

زیادہ وضاحت سے ہم یُوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم مادہ، زندگی، جان، احساس اور رُوح سے مرکب ہیں۔ اسی مرحلے پر خُدا تعالیٰ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انسانوں کو بطور رُوح کے زندہ رہنے کی تربیّت دینے میں مصرُوفِ عمل ہے کہ دُنیا میں جسم پر رُوح کو ظفریابی مل سکے۔ ایسی زندگی تمام انسانوں کے لئے بسر کرنا ممکن ہے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ تمام انسانوں کو خُدا کے فرزندوں کی زندگی کے لئے منتخب نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ہزاروں انسان جسمانی زندگی بسر کرنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ خُدا تعالیٰ کے مقصد کا یہ موجُودہ مرحلہ انتہائی مشکلات کو پیش کرتا ہے جن کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ چُونکہ آزادی کے عناصر انسانی زندگی میں کثرت سے سرایت کرچکے ہیں لہٰذا خُدا انسانوں کو اپنی جانب بُلاتا ضرُور ہے، لیکن وہ اُنہیں اپنی اس بُلاہٹ کے لئے مجبُور نہیں کرتا۔ اس لئے اس منصُوبے کی تکمیل کی آہستہ روی پر ہمیں کوئی تعجب نہیں

کرنا چاہیئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری بہت سی کمزوریاں اور ناکامیابیاں ہی اس کی وجہ ہیں حالانکہ ہم دل سے خداوند کی فرمانبرداری کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم بغور دیکھیں تو یہ حالت ہم پر اچھی طرح منکشف ہو سکتی ہے اور ہم اپنے ارد گرد دیکھنے سے دُنیا کی حالت کا حقیقی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دُنیا میں پاک کلام کی اشاعت کے متعلق اپنا اطمینان کرنے کے لئے یہ منصوبہ تسلی بخش ہے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس ضمن میں خدا تعالےٰ کا طریقہ کس قدر ترقی پذیر ہے۔ وہ ایک حصہ کو لے کر خاص طور پر ترتیب دیتا ہے تاکہ اس کا مقصد تکمیل پا سکے مثلاً ایک باغبان بیج کو گملوں یا کیاریوں میں بوتا ہے اور پھر تازہ پودوں کو لے کر کُل کھیت میں بو دیتا ہے۔

خدا تھوڑے سے زیادہ کام کرتا ہے:۔

غالباً عمدگی سے سمجھنے کے لئے یہ امر معاون ہو سکے تو ہمیں ابتدائی باب کی طرف پھر توجہ دینی ہوگی اور اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ انسان کی رُوح اور سچائی میں خدا تعالےٰ کی پرستش کرنے سے کیا مطلب ہے۔ اگر تمام تر انسان یونہی اُس کی پرستش کریں جبکہ خدا ہر جگہ موجود ہے تو پھر ہر جگہ مقدس ہوگی۔ پھر کسی خاص مقام کے تقدس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی جیسا کہ یروشلیم میں یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ اگر خدا ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر یہودیوں کے سبت کی طرح اُس کی عبادت کے لئے خاص مقدس دِنوں کی ضرورت نہیں۔

مزید برآں اگر ـــــ انسان مساویانہ طور سے اُس کی عبادت کے خواہش مند ہوں اور سب ہی اُسے جانتے اور مانتے ہوں تو یہودیوں کے کاہنوں کی طرح اُس کی عبادت کے لئے انسانوں کے کسی خاص گروہ اور طبقہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ اَب یہی وُہ حقیقی حالت ہے جہاں ہم یہ سمجھیں کہ ہم وہاں آپہنچے ہیں جسے ہم بہشت کہتے ہیں (دیکھو مکاشفہ ۲۱ و ۲۲ باب) لیکن گو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بہشت کی راہ پہ ہیں تو بھی ہم ابھی وہاں تک نہیں پہنچے ہیں ۔ اصُولی طور پہ خُداوند مسیح نے پُرانے عہد کے وُہ تمام طریق اور تصوّرات ختم کر دیئے ہیں ، اس پہ بھی ہمارے پاس عبادت کے لئے گرجہ گھر ہیں اور ہم اتوار کے دن کا احترام بھی روا رکھتے ہیں اور تمام گرجا گھروں میں خادمانِ دین پادری صاحبان اور اُستاد موجود ہیں ، کیوں ؟ ہم ان مقامات ، ان اوقات اور ان لوگوں کو اس لئے مقدس نہیں مانتے ہیں کہ باقی دُنیا کو ناپاک سمجھا جائے ہم اس لئے اپنے گرجا گھروں اور مقدس مقامات میں خُدا کی حضُوری کو محسُوس کرنا نہیں سیکھتے ہیں کہ ان جگہوں کے باہر ہم اپنے آپ کو جیسا چاہیں سمجھیں ہم اتوار کے دن خُدا کو اس لئے یاد نہیں کرتے ہیں کہ ہفتے کے باقی دنوں میں اُسے فراموش رکھا جائے ۔ ہم گرجا میں چند لوگوں کو اس لئے الگ نہیں بٹھاتے ہیں کہ وُہ ہماری خاطر پاک بنیں اور ہمیں خُود پاک بننے کی کوشش سے آزاد رکھیں ۔ مقاصد ان باتوں کے قطعی برعکس ہیں ۔ اگر ہم یہ محسُوس کرنے کی کوشش کریں کہ خُدا اگر جا گھر میں ہمارے ساتھ

موجُود ہے اور یہ اس لئے کہ جہاں بھی ہم جائیں، ہم اپنے ساتھ اُس کی موجُودگی کا احساس رکھیں۔ اگر ہم اتوار کے دِن کسی طرف علیحدہ ہو کر اپنے ساتھ خُدا کی حضُوری کو محسُوس کریں اور یہ اس لئے کریں کہ ہفتہ بھر ہم جہاں بھی ہوں وُہ ہمارے ساتھ رہے۔ اگر کچھ لوگ خاص طور پر خُدا کی عبادت کے لئے علیحدہ ہوں اور یہ اس لئے ہو کہ دُوسروں کو بھی یہی راستہ دکھایا جائے اور اس راہ پر چلنے میں اُن کی مدد کی جائے۔ تو یہ کام خُدا کی مرضی کے مطابق ہو گا کہ ہر ایک کو پاکباز بنایا جائے:۔

خُدا تعالیٰ نے جو کچھ دُنیا میں کیا ہے ہم اُس میں اُسی طریق کو کارفرما دیکھتے ہیں جسے چُننا کہتے ہیں۔ اس کا مطلب انتخاب کرنا ہے۔ پُرانے عہدنامے میں اسرائیل کو چُنا گیا تھا تاکہ اُس سے دُنیا کی تمام دیگر اقوام برکت حاصل کریں اور اب ہم جو کلیسیا کے شُرکا ہیں اس لئے منتخب کئے گئے ہیں کہ ہمارے ذریعہ خُدا کا پاک کلام زمین کی سرحدوں تک پہنچایا جا سکے اور یہی نصب العین ہر زمانہ میں مسیحی کلیسیاؤں کے پیش نظر رہا ہے۔ وُہ رُوح القُدس کی بھرپُوری اور معمُوری سے مُنادی کرتے تھے۔ مسیح کی موت اور اُس کا جی اُٹھنا اس لئے ہے کہ وُہ سب جو اُس میں ایمان رکھتے ہیں، نجات پائیں۔ وُہی اکیلا ایسا ہے جس کے وسیلے سے بہتوں کو ہمیشہ کی زندگی دی جا سکتی ہے۔

نئے عہدنامہ میں بہُت سے مقامات میں خُداوند مسیح کو پہلا پھل

کہا گیا ہے مثلاً "لیکن فی الواقع مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں اُن میں پہلا پھل ہُوا" (۱۔کرنتھی ۱۵: ۲۰) اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ "وُہ جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن رُوح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا" (۱۔پطرس ۳: ۱۸) ہم ہر ممکن صفائی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ اُس کی نجات میں کیا خوشنودی حاصل ہوگی جب رُوح پُوری طرح انسانی فطرت کے دائرۂ اختیار میں ہو جائے گا اور انسان کی تمام زندگی رُوح کے وسیلے سے تبدیل ہو جائے گی۔ یسُوع زندہ رہا "پاکیزگی کی رُوح کے اعتبار سے" (رُومیوں ۱: ۴) ہر ایک نکتہ پہ اُس کی مرضی خُداتعالےٰ کی مرضی کے تابع رہی۔ لٰہذا یہ بات اُس میں ہوتے ہُوئے صفائی سے واضح ہے کہ جو لوگ خُدا کو پیار کرتے اور اُس پہ بھروسہ کرتے اور اُس کی فرمانبرداری کی کوشش کرتے ہیں اُن کے لیے موت حکمِ آخری نہیں بن جاتی گو وُہ مر جائیں اور اُن کے جسم دفن کر دیئے جائیں تو بھی اُن کو موت کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اُن کی سچی زندگی خُدا میں پوشیدہ ہے اور وُہ موت کی دسترس سے بہت دُور ہے۔ خُدا رُوح ہے، وُہ جو اُسے پیار کرتے ہیں وُہ اُس کی رُوح کے وسیلے زندہ رہتے ہیں کیونکہ اُس کی رُوح کبھی مر نہیں سکتی اور نہ ہی وُہ مر سکتے ہیں جو اُس کو پیار کرتے ہیں۔

خُداوند مسیح کے دوبارہ جی اُٹھنے کی بابت بہت کچھ لکھا ہے جسے سمجھنا ہمارے لئے سخت دشوار ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے

جو صرف ایک دفعہ واقع ہوئی۔ اناجیل میں اس کے متعلق ہمیں بہت زیادہ نہیں بتایا گیا۔ یہ بات صاف واضح ہے کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے اُسے دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد دیکھا اُنہوں نے بھی اس ماجرے کی حقیقت کو سمجھنا ازحد دشوار پایا لیکن ایک بات صاف ظاہر ہے کہ خداوند یسوع اس قدر بدل گیا تھا کہ جب اُنہوں نے اُسے دیکھا تو اُنہیں اُسے پہچاننے میں سخت مشکل پیش آئی لیکن جب اُنہوں نے اُسے دیکھا اور جان لیا تو ویسا ہی پایا جیسا وہ اپنی موت سے پیشتر تھا۔ اب وہ اُن لاتعداد پابندیوں سے آزاد تھا جو اُس نے اپنی زمینی زندگی کے دوران گذاریں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے اُس کا جسم بھی ویسا ہی تھا جیسا دیگر انسانوں کا تھا جو بیک وقت صرف ایک مقام پر ہی دیکھا جا سکتا تھا اور اُسے جگہ بہ جگہ جانا پڑتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت تھی کہ وہ جہاں بھی چاہتا اپنے کو کسی وقت بھی کسی مقام پر ظاہر کر سکتا تھا۔ بعض اوقات وہ دیکھا جا سکتا تھا اور بعض اوقات وہ نظروں سے اوجھل رہتا تھا۔ جب اُس نے خود کو اپنے شاگردوں پر ظاہر کیا تو اُنہوں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ وہ کسی اور جگہ سے آیا ہے بلکہ یہ کہ جیسے وہ تمام وقت وہیں رہا ہے اور اب اپنے کو ظاہر کرتا ہے اور وہ ابھی تک ویسا ہی تھا لیکن اُس کا جسم تبدیل ہو چکا تھا۔ لہٰذا پہلے کی نسبت اب وہ زیادہ آزادی کے ساتھ رُوح کی فرمانبرداری کر سکتا اور رُوح کو نئے راستے پر متوجہ کر سکتا تھا۔

ہم اوّل اور آخر یہی دیکھتے ہیں کہ خُدا تعالےٰ ہمیشہ ہمارے مابین کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے سمجھنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے کیونکہ وُہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا لیکن وُہ ہمارے لئے بھی رُوحانی فتحیابی کے حصُول کو نزدیک تر لانے کی کوشش کرتا ہے ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خُداوند یسُوع دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد بھی وہی پہلے جیسا یسُوع تھا۔ غالباً ہم یہ بھی سوچیں گے کہ اگر ہم سب پُوری طرح خُدا تعالےٰ کی مرضی کے تابع ہو جائیں تو ہماری سب کی، جو قطعی اُس کی طرح ہوں گے ویسی ہی آخرت ہوگی۔ اس صُورت میں بہشت ایک بے لُطف سا مقام بن کر رہ جائے گا جیسا کہ بہُت سے لوگ بہشت کے متعلق اب بھی خیال کرتے ہیں لیکن یہ قطعی وُہ طریق نہیں جس طریق سے خُدا کام کرتا ہے۔ ہم فطری طور پر ایسی انسانی زندگی بسر کرتے ہیں جو آدمی کی آزادی کو سلب کر کے اُسے کھوکھلا بنا دیتی ہے جس طرح لاکھوں کاروباری لوگ لندن کے زیرِ زمین راستوں یا امریکہ کے بغلی راستوں سے روزانہ گزرتے اور یکساں دکھائی پڑتے ہیں۔ وُہ ایک سے اخبارات پڑھتے اور ایک جیسے خیالات سوچتے ہیں۔ اُن کی سوچ بچار اور اُن کے ردِّ عمل میں یکسانیت ہوتی ہے۔ افریقہ کے کسی گاؤں کے رہنے والے جہاں پُرانے رسم و رواج اور عادات کا عمل دخل ہے وُہ لوگ بھی اس ماحول کے زیرِ سایہ یکسانیت کے حامل ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اِن ہزارہا لوگوں میں سے خُدا کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرے تو کس قدر حیرت انگیز

تبدیلی ہوگی۔

ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ حقیقت میں انسان صحیح معنوں میں اُس وقت تک انسان کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ وُہ خُدا کو نہ جان لے۔ ایک ایسا آدمی جو خُدا کو جان لیتا ہے وُہ اپنے خُود ساختہ خیالات رکھنے شروع کرتا ہے۔ وُہ نئے نئے خیال سوچتا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے۔ وُہ سمجھتا ہے کہ سب باتوں کے لئے وُہ خُدا کے آگے ذمہ دار ہے نہ کہ اُن لوگوں کی طرح جو اُس کے ارد گرد سوچتے اور عمل کرتے ہیں اور وُہ خُداوند رُوح ہے اور جہاں کہیں خُداوند کا رُوح ہے وہاں آزادی ہے (۲۔کرنتھیوں ۳: ۱۷) اگر خُدا اپنے رُوح سے ہمیں سنبھالے تو سب سے پہلا کام جو وُہ کرے گا یہ ہوگا کہ ہماری آزادی ہمیں واپس کر دے گا۔ یہ ناممکن ہوگا کہ ہمارا سارا وجود خُدا کی مرضی کے مطابق تبدیل ہو جائے۔

انسان عام طور پر تمام چیزوں کا ایک سا ہونا پسند کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ وُہ اُنہیں سمجھ سکتا اور قابو کر سکتا ہے اور اس کا نتیجہ عوامی پیداوار کی صُورت میں سامنے ہے جو کہ (جدید) حالیہ زندگی کی بہت بڑی کم بختی ہے۔ خُدا اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وُہ چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ایک چیز دُوسری سے مختلف ہو۔ اُس کی دُنیا میں دو چیزیں کبھی ایک سی نہیں۔ ایک ہی عظیم درخت کے کروڑوں پتوں میں دو پتے بھی ایک سے نہیں ملیں گے۔ ابتدا میں اُس نے

ہمیں ایک دُوسرے سے مُختلف بنایا ہے اور اپنے رُوح کے وسیلے سے اُس نے ہمیں خُود اپنی آزادی بخشی ہے اور ہم نے خُود کو نئے عطیات اور نئے ممکنات سے گھرا پایا، اور ہم پہلے کی نسبت ایک دُوسرے سے اور زیادہ مُختلف ہوتے چلے گئے اور اسی بات نے ہمارے اندر خُدا کے کام کو صحیح طور پہ بھانپنا ناممکن بنا دیا یا اس کا اور کیا نتیجہ ہوگا جبکہ ہم دو میں اُس کا کام یکساں نہ ہوگا لیکن یہاں ایک بات ہے جو ہم کہہ سکتے ہیں اور وُہ اجتماعی طور پہ ہم سب کے متعلق سچ ہے۔

سب سے پہلے، اگر خُدا بطور رُوح کے ہمارے اندر کام کرتا ہے تو ہم سب خُدا کی باتیں جو وُہ براہ راست کرتا ہے سُنیں گے۔ ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ خُدا وُہ خُدا ہے جو عمل کرتا ہے۔ وُہ ایک ایسا خُدا بھی ہے جو کلام کرتا ہے۔ "خُداوند نے کہا" یہ ایک ایسا جملہ ہے جو نبیوں کی کتابوں میں سینکڑوں دفعہ استعمال ہُوا ہے۔ پُرانے عہدنامہ والے خُدا کے بندوں کے متعلق خُداوند یسوع نے کہا "جن کے پاس خُدا کا کلام آیا" (یُوحنّا ۱۰: ۳۵) یہاں یہ فرق ہے۔ پُرانے عہدنامے کے زمانے میں خُدا نے خاص لوگوں سے گفتگو کی اور اپنے الفاظ اُن پر منکشف کئے۔ اس نئے دور میں یہ وعدہ ہے "پھر وُہ اپنے پڑوسی اور اپنے بھائی کو یہ کہہ کر تعلیم نہیں دیں گے کہ خُداوند کو پہچانو کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک وُہ سب مجھے جان لیں گے" (عبرانی ۸: ۱۱ حوالہ از یرمیاہ ۳۱: ۳۴) اگر یہ وعدہ سچّا ہے تو ہمیں دونو باتوں کے متعلق طمئن

رہنا چاہیئے کہ خُداوند کلام فرمائے گا اور ہم سُننے کے قابل ٹھہریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ اس تعلیم میں خطرہ بھی ہے۔ اُن لوگوں کی طرف سے کلیسیا کو بہت نقصان پہنچا جنہوں نے اپنے ہی خیالات اور قیاسات کو خُدا کا کلام سمجھا۔ پُرانے زمانے میں جہاں جھُوٹے نبی ہوتے تھے وہاں سچے نبی بھی ہوتے تھے۔ ہمیں بھی ہوشیار رہنا چاہیئے مُبادا ہم بھی یہی خیال کریں کہ خُدا کا کلام سن رہے ہیں جبکہ حقیقت میں ہم اپنے آپ سے گفتگو کر رہے ہوں۔ لیکن تین ایسے طریقے ہیں جن سے ہم اپنے دِلوں کے اندر خُدا کے ہم کلام ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ پہلا طریقہ بائبل مقدّس ہے۔ یہاں خاص معنی میں لفظ خُدا پاتے ہیں یعنی خُدا کی دائمی آواز جو ہمکلام ہے۔ بائبل کو خُدا کا کلام کہا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں خُدا کے بندے صدیوں تک اسی تعلیم کے وسیلے زندگی بسر کرتے رہے اور تجربے سے اِسے سچا پاتے رہے۔ یہی خُدا کا کلام کہلاتا ہے کیونکہ اس میں وُہ سب کچھ ہے جو خُدا کی پہچان کے لئے ضرُوری ہے اور چُونکہ جب انسان نے خُدا کے متعلق نئی چیزوں کو جانا تو وُہ سمجھنے لگا کہ جو کچھ بائبل میں پہلے سے موجُود ہے وُہ اس سے بھی قدرے زیادہ گہری حقیقت کو سمجھنا ہے۔ چنانچہ لفظ خُدا ہم تک اس شکل میں پہنچا جس طرح وُہ کلیسیا میں تلقین کیا جاتا ہے۔ مسیحی وعظ محض ایک آدمی کی آواز نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک ایسے تربیّت یافتہ آدمی کی آواز ہونی چاہیئے جو تمام کلیسیا کے اختیار اور تجربے کا حامل ہو۔

آخرش پُرانے دوستوں کی نصیحت بھی ہے جو شاید خیالات کے جھوٹ سچ کی جانچ پڑتال میں ہمارے مددگار ثابت ہوں کہ کونسی ایسی آواز ہمارے دِلوں میں آتی ہے جو منجانب خُدا تعالیٰ معلوم ہوتی ہے۔

اوّل :- ہم خُدا کی آواز سُنیں گے۔ دوم :- اگر خُدا بطور رُوح کے ہمارے درمیان کام کرتا ہے تو خُدا ہمارے وسیلے انسانوں میں محبّت آمیز خدمت کے کام کرے گا۔ دُنیا میں کام کرنے کے لئے شاید خُدا تعالیٰ دُوسرے طریقے بھی مُنتخب کرے لیکن درحقیقت اُس نے انسانوں کے ذریعہ ہی کام کرنے کا طریقہ مُنتخب کیا ہے کیونکہ اُس نے بنی نوع انسان کا خُدا ہونا اپنے لئے پسند کیا اور اس حُسنِ انتخاب میں وُہ وفادار رہا جب اُس نے نوعِ انسان کے لئے کفّارہ دینا چاہا تو اُس نے خُداوند یسُوع مسیح میں مُجسّم ہو کر دُنیا میں آنے کا طریقہ انتخاب کیا تاکہ ہماری زندگیوں میں شرکت کرے۔ اب اُس نے انسانوں کو کلیسیا میں یکجا کرنے اور اُنہیں اپنے واسطے کام کرنے کے لئے مقرّر کیا ہے۔ اُس نے کوئی اور راستہ تلاش نہیں کیا۔ جن لوگوں کو اُس نے بُلایا اُن کی وفاداری پر بھروسہ کیا اور جن لوگوں کو خُدا بُلاتا ہے، رُوح اُن میں کام کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم زیادہ عرصہ کے لئے صرف "گوشت" نہیں رہا۔ بدن ہی وُہ دُشمن ہے جس کے وسیلے شیطان اپنی شرارتوں کے کام سرانجام دیتا ہے اور یہی بدن خُدا کی مرضی کے مطابق جیسا کہ وُہ چاہتا ہے دوست بن جاتا ہے۔ بدن ہی ایک ایسا ہتھیار ہے

جس کے ذریعہ ہم نیکی اور خدا کی تابعداری کر سکتے ہیں۔ کلیسیا مسیح کا بدن کہلاتی ہے کیونکہ کلیسیا ہی کے وسیلے وہ دُنیا میں کام کرتا ہے۔ جسم ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ہماری ارواح کا ظہور ہوتا ہے۔ جب جسم ایک اچھے خادم کی طرح کام کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ رُوح کی حکمرانی میں ہے اور یہ خدا کی قوت کے ذریعہ منقلب ہوتا ہے۔

سوم :۔ خدا بطور رُوح کے انسانوں کو شراکت کے لئے یکجا کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ "مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہو جائے"۔ (افسیوں ۱ : ۱۰) گویا دوبارہ پھر اُسی میں تمام چیزوں کو یکجا کرنا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کلیسیا میں یہ واقعہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ کلیسیا ہی حقیقی بین الاقوامی سماج ہے جس کے اندر تمام رنگ و نسل کے لوگ آسودگی پاتے ہیں۔ اگر رُوح ہمارے اندر کام کرتا ہے تو ہم ایک نئے طریق سے ایک دُوسرے سے کشادگی سے پیش آئیں گے۔ عام طور پر ہم تکبر، شرم یا کاہلی، نسلی اختلاف، زبان یا سماجی بلندی کی وجہ سے ایک دُوسرے سے دُور رہتے ہیں۔ کشادگی اور خلوص سے اِن لوگوں سے محبت کرنا جو خداوند مسیح سے محبت کرتے ہیں ایک نعمت بے بہا ہے۔ خداوند مسیح میں شراکت دُوسری تمام دوستیوں سے افضل ہے۔

## رُوح کی جسم پہ فتحیابی

یہاں ہم ان ساری چیزوں کو نامکمل پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم

اِن ساری چیزوں کو بالآخر اپنی زندگی میں حاصل کریں گے اور یہ ایک وعدہ ہے کہ ہم اِن کو اُس وقت مکمل صورت میں پائیں گے، جب خُداوند سارا کام ختم کر چُکے گا جیسے دُنیا میں پورا کرنے کا اُس نے منصوبہ باندھا ہے۔ پھر ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ "ہم بھی اُس کی مانند ہوں گے کیونکہ اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے" (۱۔ یوحنا ۳: ۲) تب تمام شک و شبہات جاتے رہیں گے اور ہم اُسے اُسی طرح جان لیں گے جیسے ہم جانے گئے ہیں۔ یہاں ہمیں ایک نامکمل خدمت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہاں اُس کے خادم اُس کی خدمت کریں گے "اور وہ اُس کا مُنہ دیکھیں گے" (مکاشفہ ۲۲: ۳-۴)

وہاں خدمت گذاری سے کبھی تھکن نہیں ہوگی کیونکہ ہم جو کر سکیں گے وُہ ہماری اس خواہش سے کم نہ ہوگا جو ہم کرنا چاہیں گے۔ یہاں ہمیں نامکمل رفاقت کے سوا کچھ نہیں ملتا کیونکہ ہم جسمانی اور گنہگار ہیں لیکن وہاں جب بھروسہ اور اُمید دُور ہوں گے تو محبت ہمیشہ کے لئے دوام پائے گی (۱۔ کرنتھی ۱۳: ۱۳) ہم ایک دوسرے کو پوری طرح جان پائیں گے۔ ہم پوری رفاقت رکھیں گے کیونکہ سب واحد خُداوند مسیح میں ہوں گے جس نے ہمیں ایک بنایا ہے۔

اِن تمام باتوں کا انجام کیا ہوگا؟ اس کا جواب ہمارے لئے مقدس پولوس نے سات الفاظ میں ترتیب دیا ہے کہ "خُدا قادرِ مُطلق ہوگا"۔ تمام بُرائیاں ختم کر دی جائیں گی، تمام دُشمن ضرور فنا کر دیئے جائیں گے۔

خُدا کے تمام فرزند یکجا ہوں گے۔ تمام جد و جہد بند ہو جائے گی، پھر خُدا ہی خُدا ہوگا۔ ہر ایک چیز جو خُدا نے ابتدا میں بنائی وُہ انتہا کو پہنچ جائے گی۔ ہر ایک شے جو خُدا ہمارے اندر بطور رُوح کے کرتا ہے اُسی انتہا کو دیکھے گی۔ خُدا الفا اور اومیگا دونو ہے۔ (مکاشفہ ۱: ۸) ابتدا اور انتہا دونو۔ ہم اُسے ابتدا کے طور پر پہلے ہی جانتے ہیں۔ اگر ہم ہمیشہ اُس وقت کی اُمید میں زندہ رہیں جب وُہی وُہ ہوگا تو عقیدے کے لحاظ سے ہم اُسے انتہا کے طور پہ بھی جانتے ہیں ؛

# چھٹا باب

## تثلیث فی التوحید

شروع کے ابواب میں ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم خدا کو تین مختلف زاویوں سے سوچتے ہیں۔ وہ ایسا خدا ہے جو کبھی کبھی اپنے بندوں پر ظاہر بھی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو کلی طور سے زندگی کا ذریعہ دکھاتا ہے اور پھر خداوند یسوع مسیح جس میں ہم صفائی کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں جسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا اور پھر خدا جو دنیا میں ہمیشہ کام کرتا ہے اور اپنے مقاصد کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے جسے ہم بطور روح کے جانتے ہیں۔ ان تجربات کی بنا پر کلیسیا نے تثلیث فی التوحید کا اصول قائم کیا ہے کہ خدا واحد کے تین اقانیم باپ، بیٹا اور روح القدس ہیں۔ اس دقیق تعلیم کو جس طرح اینگلیکن کلیسیا کی نماز کی کتاب میں سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اس سے زیادہ بہتر سادہ اور عام فہم طریقہ سے آج تک کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ مرقوم ہے:

اوّل: میں نے خدا پر جو باپ بھی ہے، اعتقاد رکھنا سیکھا جس نے مجھے اور ساری دنیا کو پیدا کیا۔

دوم:۔ خدا میں جو بیٹا بھی ہے، جس نے میرا اور تمام بنی نوع انسان کا کفارہ دیا۔

سوم:۔ خدا جو رُوح القدس بھی ہے، جس نے مجھے اور خدا کے تمام منتخب شدہ لوگوں کو گناہ سے پاک کیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقیدے کو بہت مشکل بنایا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ کیا صرف یہی کہہ دینا کافی نہیں کہ خدا واحد ہے اور بعض لوگ چالاکی سے تثلیث کے مسئلہ کا مذاق اُڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ایک جمع ایک، جمع ایک کو کس طرح ایک کے برابر کہہ سکتے ہو جبکہ بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ایک جمع ایک، جمع ایک برابر ہوتے ہیں تین کے؟ مسلمانوں کو تثلیث کی تعلیم سکھانا ایک گناہ سے کم نہیں کیونکہ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک اور صرف ایک ہے۔ اُنہیں یہ کہنا کہ خدا کے اور شریک بھی ہیں، تمام ممکن گناہوں سے بڑھ کر ہے لیکن کسی چیز کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مشکل ہے ایسی ہی بات نہیں ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ یہ سچی بات نہیں بلکہ ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ خدا کے متعلق مسیحی عقیدہ میں یہ بات اس ڈھنگ سے کیوں آئی؟ اور کلیسیا نے ہمیشہ یہی کیوں صحیح سمجھا کہ بالآخر یہی عقیدہ تسلیم کیا جائے گا کہ خدا ایک میں تین —— اور تین میں ایک ہے۔

ہماری اپنی یاددہانی کے لئے بھی یہ بہتر بات ہے کہ پُرانے زمانہ کے مسیحی اُستاد جنہوں نے تثلیث کی تعلیم کے متعلق محنت کی وہ دُنیا کے

عظیم ترین فلاسفروں میں سے تھے۔ یہ امر قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ انہوں نے دانستہ اپنے عقیدہ کو اس قدر مشکل صورت میں ترتیب دیا بلکہ وہ تو اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے اسے ترتیب دیا جا سکتا ہے اور اگر ہم اُن تمام امور میں سچے ہیں جو ہم خدا کی بابت کتاب مقدس سے سیکھتے ہیں اور اپنے اس تجربہ کی بنا پر بھی جس کے ذریعہ ہم خداوند مسیح کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہی صحیح ہے۔

ایک حقیقی امر کی طرح ہم تجربات و مشاہدات کی دنیا میں اُن دوسری چیزوں کے متعلق بھی بہت کچھ جانتے ہیں جو ہمیشہ ایک ہیں۔ لیکن ان کو بھی ہمیشہ تین طریقوں سے کم پہ نہیں سوچا جاتا۔ ہمارے ہمیت ہر ایک شے جو دنیا میں موجود ہے، جسامت، وسعت اور مقدار کے اعتبار سے تین حیثیتیں رکھتی ہے۔ اس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی ہوتی ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ تین حقیقتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ ہمارے تجربات میں موجود ہیں:۔ فاصلہ، وقت اور مادہ۔ ہماری زندگی، احساس، سوچ بچار اور پسندیدگی پر مشتمل ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو انتخاب کرتا ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو سوچتا ہے اور انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو محسوس کرتا ہے۔ ہم ان تین عناصر میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم ان کا کوئی دوسرا مساوی بدل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ پھر بھی انسان تین نہیں بلکہ ایک ہے۔

بہرصورت ایسی تشریحیں بھی ہمیں خُدا کو سمجھنے میں زیادہ معاون ثابت نہیں ہوتیں۔ ہاں! اِن سے اتنی مدد ضرور مل سکتی ہے کہ فضول دلیل بازی میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ لیکن ہم ایسے خُدا کے متعلق سچائی کا اظہار کرتے ہیں جو ہمہ وقت موجود ہے عمل کرتا اور محبت کرتا ہے۔

## یسُوع ناصری سے ابتدا:۔

جب ہم یہ پُوچھتے ہیں کہ انسان نے خُدا کے متعلق ایک خُدا میں تین اقانیم کا اظہار کیوں شروع کیا تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اُس وقت سے شروع ہُوا جب یسُوع ناصری کے شاگردوں نے اُس کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وُہ اُسے کیا سمجھتے اور تصوّر کرتے ہیں۔ وُہ جانتے تھے کہ خُداوند مسیح ہی کے وسیلے سے اُنہوں نے خُدا کو بطور باپ اور حاکم کے جانا۔ خُداوند مسیح نے اُن پر خُدا کو منکشف کیا۔ لیکن خُدا کو کون ظاہر کر سکتا ہے؟ صرف خُدا ہی خُدا کو ظاہر کر سکتا ہے۔ اگر خُداوند مسیح نے ہمیں حقیقتاً خُدا دکھایا ہے تو یہ صرف تب ہی ممکن ہُوا کہ وُہ خُدا کی طرف سے تھا۔ اور یہ اس لئے ہُوا کہ انسانوں کو خُدا کی طرف لایا جائے جو اُنہیں پیار کرتا ہے۔ "اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا۔" (یُوحنّا ۱: ۱۸) لیکن اگر یسُوع خُدا ہے اور اُس نے خُود کو دُنیا پر ظاہر کیا تو وُہ دُنیا میں آنے سے پہلے بھی خُدا ہی تھا۔

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خُدا کے ساتھ تھا اور کلام خُدا تھا۔"
(یُوحنّا ۱: ۱)

"وہ اگرچہ دولت مند تھا مگر ہماری خاطر غریب بن گیا۔" (۲-کرنتھی ۸: ۹)
مسیحی کہلانے والے لوگ بھی ایسے نہیں ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ یسوع میں ہوتے ہوئے خدا تعالےٰ درحقیقت اس دُنیا میں آیا اور ہم جیسی زندگی بسر کی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مسیحی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن وہ یسوع کو صرف ایک راست باز اور فوق البشر انسان مانتے ہیں اور اس بات کے مُدعی ہیں کہ خدا نے یسوع میں اس درجہ سکونت اختیار کی جو کسی دُوسرے انسان میں نہ کی تھی۔ درحقیقت خداوند یسوع نے اپنی تعلیم سے ہمیں یہ سکھایا کہ خدا کیسا ہے۔ لیکن وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ یسوع کو خدا مانا جائے۔ وہ اُسے حاکم اور آقا تو بخوشی مانتے اور کہتے ہیں۔ اور بھی بہت سی ایسی ہی باتیں خداوند یسوع کے متعلق کہتے ہیں جو دُوسرے مسیحی بھی کہتے اور مانتے ہیں۔ ایسے لوگ (بعض اوقات منکرِ تثلیث بھی کہلاتے ہیں) بسا اوقات یہ لوگ بہت اچھی زندگی گذارتے ہیں بلکہ اکثر مسیحیوں سے بھی اچھے ہیں۔ لیکن یہ امر اس حقیقت کو ہرگز تبدیل نہیں کرتا کہ وہ ایک اتنی بڑی حقیقت سے منکر ہیں جس پر ہمیشہ کلیسیا کی زندگی کا دارومدار رہا ہے۔ کیا ہم اس امر کی اچھی طرح وضاحت کر سکتے ہیں کہ اختلاف کہاں ہے؟
بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسیحی عقیدہ اُس شخصیت میں مضمر ہے جو یسوع کہلاتا ہے جو کسی نہ کسی طرح الوہیت کا مدعی ہے۔ ان کی یہ تمام باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ مسیحی عقیدہ واحد خدا میں

مُضمر ہے جس نے دُنیا کو اس قدر پیار کیا کہ وُہ خُود اُسی دُنیا میں آنے کو رضامند ہو گیا جسے اُس نے تخلیق کیا تھا اور انسانی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں حِصّہ لیا اور انسانوں کے گُناہوں کے عوض مَوت کو قبُول کیا جن سے وُہ محبّت کرتا تھا۔

— اب ہم سلسلہ وار متوازی دفعات کے ذریعہ اس خیال کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مسیحی خُدا نے دُنیا کو اس درجہ پیار کیا کہ وُہ اس دُنیا میں داخل ہُوا اور انسانی صُورت میں انسانوں کے درمیان رہنا منظور کیا۔ مُنکرانِ تثلیث کے خُدا نے دُنیا میں داخل ہونے اور انسانوں کے درمیان انسان بنکر رہنے کیلئے دُنیا کو اتنا پیار نہیں کیا۔

— مسیحی خُدا نے اِن باتوں کا خُود تجربہ کیا کہ تھکاوٹ، بھُوک، رنج و غم اور تنہائی کیا ہوتی ہے؟

مُنکرانِ تثلیث کا خُدا محض ہمدردی سے شاید یہ سمجھتا ہے لیکن وُہ تجربے کے طور پر یہ ہرگز نہیں جان سکتا کہ تھکاوٹ، بھُوک، رنج و غم اور تنہائی کیا ہوتی ہے۔

— مسیحی خُدا یہ جانتا ہے کہ دغابازی، ناانصافی، الزام تراشی بے عزّتی، صلیب دیا جانا اور دفن ہونا کیا ہوتا ہے۔

مُنکرانِ تثلیث کا خُدا تجربے کی بنا پر یہ باتیں نہیں جانتا کہ دغابازی ناانصافی، الزام تراشی، بے عزّتی، صلیب دیا جانا اور دفن ہونا کسے کہتے ہیں۔

اگر ہم اس طریقہ پر مقابلہ کرتے چلے جائیں تو ہم نہایت وضاحت

سے دیکھ لیں گے کہ ہم کسی ایسے خُدا کے متعلق بات چیت نہیں کر رہے جیسا کہ مُنکرانِ صلیب کا خُدا ہے۔ اگر ہم مسیحی ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ ہمارے خُدا نے گُناہگاروں کو اس درجہ پیار کیا کہ اُس نے اپنے بیٹے کو بھی اُن کے لئے موت کے مُنہ میں جھونک دیا۔ یہ ایک بڑی ہی عجیب بات ہے جس پر یقین لانا چاہیئے۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم اس امر پر بھی اتفاق کرتے ہیں کہ مسیحی خُدا ضرور ایک عجیب قسم کا خُدا تھا اور کچھ نہیں لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جس پر مسیحی پورا یقین رکھتے ہیں۔ "کہ خُدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل ملاپ کر لیا" (۲-کرنتھیوں ۵: ۱۹) لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ ہم کس طرح یقین کر سکتے ہیں کہ یہ سچ ہے، ضرور ہے کہ کوئی چیز معجزے کی طرح واقع ہوئی ہو، اس سے قبل کہ اس پر یقین کریں، یہ ایک حقیقت ہے اور مسیحی عقیدے سے بھی قطعی طور پر اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کوئی شخص حتمی طور پر یقین نہیں کرے گا کہ یہ حقیقت ہے جبتک خُدا خُود اُس کی رہنمائی نہ کرے اور اُس کے ضمیر سے ہم کلام نہ ہو اور اُسے اس حقیقت سے آگاہ نہ کرے اور یہ رُوح القدس کا کام ہے۔ "رُوح خُود ہماری رُوح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خُدا کے فرزند ہیں" (رومیوں ۸: ۱۶)

## تثلیث کی ابدیت

یہ بات خُداوند یسُوع مسیح کے متعلق سوچنے سے ہی پیدا ہوتی کہ یہی سربستہ دعوؤں اور خُدا تعالیٰ کی فطرت کو سمجھنے کے لئے انسانوں

کی رہنمائی کی گئی لیکن اگر ہم اِن عظیم الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کریں جو بائبل میں خُدا کے متعلق استعمال ہُوئے ہیں تو ہم اس سے تثلیث فی التوحید کے مفہوم کو سمجھیں گے۔ ہم خُدا کی بابت کہہ رہے تھے کہ اُس نے اپنے آپ کو ظاہر فرمایا جس کا یہ مطلب ہُوا کہ وُہ ایک "اَن دیکھا" خُدا ہے جس نے اپنے آپ کو ظاہر کیا لیکن جس حال کہ ہم انسان زمان و مکان کی حدُود میں محدُود ہیں اس لئے وُہ ہم انسانوں کو صرف وقت، فاصلے اور تاریخی انداز کے وسیلے دکھائی دے گا اور یہی وُہ امر ہے جو یسُوع ناصری کے وسیلے سے ظاہر ہُوا۔ یعنی ایک ایسے آدمی کے وسیلے سے جو تاریخ میں ایک معیّن وقت تک دُنیا کے ایک معیّن علاقہ میں رہا لیکن ایک ایسا واقعہ جو عرصہ گُذرا تاریخ میں وقُوع پذیر ہُوا، وُہ ہمارے لئے کسی طرح بھی سُود مند نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وُہ ماضی کی طرح حال میں بھی مسلسل موجُود ہو۔ اس سے بڑھ کر رُوح القُدس کا اور کیا کام ہوسکتا ہے؟ "وُہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجُھ ہی سے حاصل کرکے تمہیں خبر دے گا۔" (یُوحنا ۱۶: ۱۴)۔

مذکُورہ خُدا ایک ایسا خُدا ہے جو کلام کرتا ہے"۔ اور خُدا نے کہا کہ روشنی ہوجا" (پیدائش ۱: ۳) مسیح خُدا کے کلام کی طرح بولتا ہے۔ (یُوحنا ۱: ۱) مگر یہ لفظ کیا ہے؟ ہر ایک حقیقی اور زندہ لفظ کی تین شکلیں ہیں۔ خیال فرمائیے کہ یہ کتاب کس طرح معرضِ تحریر میں آئی۔ یہ میرے الفاظ سے تکمیل پذیر ہُوئی۔ لیکن میرے الفاظ مجُھ سے جُدا نہیں ہوسکتے۔

وُہ میرا ہی وجود ہیں۔ یہ کتاب چند یوم میں لکھی گئی لیکن اس میں وُہ تمام شئے سرایت کر گئی جو میرا سرمایہ تھی۔ یعنی جو کچھ مَیں نے کیا، سوچا، پڑھا اُور برداشت کیا اُور نصف صدی تک خُدا کے متعلق سوچنے کی کوشش کی۔ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ الفاظ لکھے بغیر اُور کسی دُوسرے کو معلوم ہُوئے بغیر میرے دِل میں ہی ہوتے ہیں۔ ایسے طویل وقت کے دوران جب مَیں گھنٹوں آنکھیں بند کئے اپنی کُرسی پر بیٹھا رہتا ہُوں تو اسی مضمون کی وضاحت کے متعلق جو مَیں کتاب میں لکھنا چاہتا ہُوں، نہ ہی کوئی مُجھے دیکھتا ہے اُور نہ ہی کسی کو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مَیں کیا سوچ رہا ہُوں۔ اب میری اُنگلیاں بڑی پھرتی سے ٹائپ رائٹر پہ پڑ رہی ہیں اُور میرے الفاظ کاغذ اور روشنائی کی صُورت اختیار کرتے جاتے ہیں اُور وُہ الفاظ آشکارا ہوتے جاتے ہیں۔ اگر مَیں زور سے کسی دُوسرے کو پڑھ کر سناؤں تو یہی الفاظ آواز کی شکل اختیار کر لیں گے اُور یہ قابلِ سماعت الفاظ بن جائیں گے لیکن یہیں اختتام نہیں ہوتا۔ وُہ جو کچھ مَیں نے لکھا ہے جب آپ اُسے پڑھیں گے تو اگر وُہ "زندہ الفاظ" ہیں تو آپ کے دِل کا ایک حصّہ بن جائیں گے۔ وُہ آپ کے ضمیر کو روشن کر دیں گے اُور آپ کو اپنے لئے نئے خیالات سوچنے میں مدد دیں گے جو اب میرے اُور آپ دونو کے ہوں گے اور یہ کسی حد تک اس بات کا جواب ہے کہ خُدا کے کلام کا کیا مفہوم ہے۔ اس میں اَن دیکھے خُدا کا راز سربستہ

ہے۔ اسی کے اندر خُدا کا کلام ممکن السمیع اور بصیرت افروز ہے جیسے خُداوند یسُوع مسیح اپنی جسمانی حالت کے دِنوں میں تھا۔ بعینہٖ اُسی طرح خُدا کا کلام ہے جو رُوح القُدس کے وسیلے ہمارے دِلوں میں سکُونت کرتا ہے۔ یہ ہمیں تعلیم اور روشنی دیتا ہے۔ خُدا کے متعلق ہمیں نئی سمجھ عطا کرتا ہے جو ہماری اور خُدا کی عطا کردہ ہے۔ ہماری صرف اس لئے کہ پہلے وہ اُس کی تھی۔

جب ہم دُعا کرتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ آپ خود بخود کبھی دُعا اور نماز کے لئے تیار نہیں ہو سکتے جب تک کہ رُوح القُدس آپ کے دِل میں کام نہ کرے اور آپ کو دُعا کے لئے تیار نہ کرے اور آپ کے خیالات کو خُدا کی طرف نہ پلٹے اور آپ کو اُسی خُدا کے نزدیک نہ لائے جس کی آپ ملکیت ہیں۔ خُدا خُود آپ کے دِلوں میں دُعا کو ترتیب دیتا ہے ورنہ آپ کو شاید الفاظ بھی مل سکیں اور دِل میں خوف زدہ رہیں کہ میں ایک گنہگار کس طرح رَبّ کے حضُور دُعا کروں؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ آپ جب تک اُس نجات دہندہ کے نام میں شامل نہیں ہوتے جو ہمارے مابین ہماری طرح ہو گیا واقعی ایسا نہیں کر سکتے۔ وُہی ہمیں خُدا کے پاس واپس لا سکتا ہے، وُہی ہمیں یہ کہہ سکتا ہے کہ تُمہارے گُناہ معاف کئے گئے ہیں اور پھر ہم بے خوفی کے ساتھ خُدا کے فرزندوں کی طرح نہ کہ غُلاموں کی طرح بارہ یابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم کیسے سجدہ کرتے

ہیں؟ باپ کو جو ہمارا خالق ہے اور صرف اُسی کے وسیلے ہمیں امن ملے گا۔

چُونکہ ہم انسان ہیں اس لئے خُدا تعالےٰ کے لئے صرف انسانی الفاظ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ ہم باپ، بیٹے اور رُوح القُدس کو الگ الگ سمجھتے ہیں، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ نئے عہد نامہ میں ہمیں بار بار سکھایا گیا ہے کہ باپ، بیٹا اور رُوح القُدس کو یکجا تصوّر کریں۔ خُداوند یسُوع دُنیا میں کیا کرتا ہے؟ وُہ باپ ہی کا کام ہے جو وُہ ہمیشہ کرتا ہے۔ مقدس یُوحنّا کی انجیل میں وُہ کہتا ہے "مَیں اپنے آپ کُچھ نہیں کر سکتا"۔ وُہی ہمیشہ خُدا کی طرف سے بھیجا ہُوا ہے اور باپ ہی ہمیشہ وُہ ہے "باپ جس نے مُجھے بھیجا ہے"۔ وُہ ہمیشہ باپ کی طرف اشارہ کرتا ہے "کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا"۔ (یُوحنّا ۱۴: ۶) رُوح، ہمیشہ "یسُوع کی رُوح" ہے (اعمال ۱۶: ۷) اس کا مقصد ہی ہمیشہ تک انسانوں میں یسُوع کے کاموں کو جاری رکھنا ہے اور جنہوں نے کبھی یسُوع کو نہیں دیکھا، اُن کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا۔ ہم کبھی یسُوع کا خیال ہی نہیں کر سکتے جب تک کہ باپ کا تصوّر نہیں کرتے جس نے اُسے بھیجا ہے اور رُوح القُدس کا بھی جس نے اُسے حقیقت بنا کر ہمیں دکھایا۔ اسی طرح ہم رُوح القُدس کا تصوّر نہیں کر سکتے جب تک باپ کا تصوّر نہ کریں جس نے اُسے بھیجا اور یسُوع کا بھی جس کی پسندیدگی کے بعد اُس کا کام ہمیں نیا انسان

بنانا ہے۔

شاید ان وجوہ کی بنا پر کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ ہم خدا کو تین طریقوں سے جانتے ہیں کیونکہ ہمیں وہ اپنے آپ کو تین طریقوں سے دکھا کر خوش ہوا، اس لئے نہیں کہ در حقیقت وہ اس چیز کو اپنے آپ میں پسند کرتا ہے۔ یہ خیال کئی طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے آپ کو انسانوں کے دکھانے کے لئے کچھ مدت کے لئے آدمی کی صورت اختیار کر لی لیکن جب یہ کام ختم ہو گیا تو خدا پھر انسانی صورت سے خدائی رُوپ میں چلا گیا اور پھر بغیر کسی تقسیم کے "ایک" بن گیا جیسا کہ وہ ابتدا میں تھا۔ یہ خیال بہت کچھ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وشنو بھگوان دس مرتبہ دُنیا میں انسانی یا حیوانی شکل میں مجسم ہُوا ہے لیکن اُن کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا حقیقت میں انسان بنا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ہمیشہ انسان ہی رہتا نہیں بلکہ اُس نے کچھ قلیل وقت کے لئے انسانی رُوپ دھارا اور پھر اُسے یُوں اُتار دیا جیسے ہم اپنے پُرانے کپڑے جسم سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں لیکن مسیحی خدا کے بیٹے کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھتے۔ خداوند یسوع مسیح کے بارے میں اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ "یسوع مسیح کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے" (عبرانی ۱۳: ۸) وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب وہ دُنیا کی جانب واپس چلا گیا تو وہ اپنی انسانیت کو بھی

اپنے ہمراہ اپنی الوہیت میں لے گیا، اسی یسُوع کے ساتھ ہم ایک دن ملاقات کریں گے اور جو ابھی تک انسان ہے جس کے پاس ابھی تک وہ تمام نشانات موجود ہیں جو انسان ہوتے ہُوئے اُس کے تجربے میں آئے یعنی اُس کے دُکھ، اُس کے مصائب، اُس کے زخموں کے نشان، اُس کا جلال۔ ان باتوں کا سمجھنا انتہائی دشوار ہے۔اس کا سمجھنا اس تصوّر سے کہیں زیادہ مُشکل ہے کہ دُنیا میں آنے سے قبل وہ خُدا تعالیٰ کے ساتھ تھا۔لیکن اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر ہم اپنے تخیلات دُعا کے وقت کس کی طرف رجُوع کرتے ہیں جب ہم کہتے ہیں "ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلے سے"؟

## محبّت اور قوّت کی تثلیث:۔

لیکن کیا اس امر کی ضرُورت ہے اور یہ بات اس قدر اہم ہے کہ ہم اتنے مُشکل تصوّر پر غور و خوض کریں؟ ہاں، اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ہم نے صرف اس تعلیم کو معلُوم کرنے کے لئے کہ خُدا محبّت ہے پُورا ایک باب صرف کر دیا۔جلد یا بدیر ایک بچّہ بھی سوال کر سکتا ہے کہ دُنیا کے وجُود سے پہلے خُدا کس سے محبّت کرتا تھا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے جس کا ہمیں ضرُور جواب دینا چاہیئے۔

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ خُدا تعالےٰ نے تین میں سے ایک بن کر اپنے آپ کو ظاہر کیا مگر درحقیقت ایک ہیں تین نہیں۔وہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے توجہ دیتے ہیں کہ دُنیا لازوال ہے جیسے کہ خُدا لازوال

ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس سوال کا کچھ مطلب ہی نہیں رہتا کہ دنیا کے وجود سے پیشتر خدا کسے پیار کرتا تھا یا اس کو کس کے ساتھ محبت تھی کیونکہ ایسا کوئی وقت ہی نہیں جبکہ دنیا تھی۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ دنیا خدا کے لئے ویسی ہی ضروری ہے جیسا خدا دنیا کے لئے۔ بعض اوقات یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ خدا بھی کسی رنگ میں کوئی بڑھنے والی ہستی ہے اور وہ کوئی ایسی شے بن رہا ہے جو ابھی تک نہیں بنا، تاہم یہ خیال صحیح نہیں۔ سارے عالم کو صرف خدا ہی برقرار رکھتا ہے اور اس کی مرضی یا توجہ کے بغیر ایک لحظہ بھی قائم نہیں رہ سکتا لیکن اگر خدا نے دنیا بھی نہ بنائی ہوتی تب بھی وہ خدا ہی ہوتا اور اگر دنیا کل سے موجود رہنا چھوڑ دے تو پھر بھی خدا خدا ہی رہے گا۔ خدا نے دنیا کو بنایا ہے اور وہ اسے پیار کرتا ہے لیکن وہ اس سے اعلیٰ وارفع اور آزاد ہے۔

اور دوسروں نے یہ کہہ کر ہمارے سوال کا جواب دیا ہے کہ ابتدائے عالم سے پیشتر خدا اکیلا ہی روشنی اور مسرت میں تھا اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو ہی پیار کرتا تھا۔ اب اس میں بھی ایک رمز نہاں ہے جس کے مطابق ہمیں خود کو پیار کرنا چاہیئے "تو اپنے پڑوسی سے اپنی طرح محبت رکھ" لیکن آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ ایسا نظریہ نہیں ہے جس کے پیش نظر ہم نے محبت کا لفظ اس کتاب میں استعمال کیا ہے۔ محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہم خود کو دوسروں کے لئے وقف

کر دیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے وجود میں سے کوئی شے خارج ہو کر اس شخص میں شامل ہو جاتی ہے جسے ہم پیار کرتے ہیں۔ جب محبت کی تکمیل ہو جاتی ہے تب اس دوسرے شخص میں سے بھی ہمیں ایسی ہی چیز بطور ہدیہ اسی طریق سے واپس ملتی ہے۔ اگر ہم تثلیث کی تعلیم کو قبول کرتے ہیں تو ہمارا سوال کچھ زیادہ مشکل نظر نہیں آتا۔ ہم ساری ابدیت میں دیکھتے ہیں کہ باپ نے بیٹے سے محبت کی اور بیٹے نے باپ سے۔ پندرہ سو برس گذرتے ہیں کہ عظیم مسیحی استاد آگسٹن نے ہمیں اس امر سے آگاہ کیا کہ جب ہم لفظ محبت کا استعمال کرتے ہیں تو اس لفظ میں ہمیشہ تگنائی ہوتی ہے۔ اوّل۔ محبت کرنے والا۔ دوم۔ جس سے محبت کی جائے۔ سوم۔ محبت بذاتِ خود جو انہیں بندھن میں جکڑتی ہے۔ محبت کا اس طریق سے تجربہ کرنے سے وہ تثلیث کی تعلیم کے مسئلہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جو روزِ ازل سے تخلیق اور محبت کا سرچشمہ ہے اور بیٹا جس کے وسیلے سے اس نے ساری ابدیت سے محبت کی اور جس کی جانب سے اس کے ساتھ محبت کی گئی اور ــــ پھر محبت جس نے ان کو ایک بنایا ہے پاک رُوح ہے۔

مندرجہ بالا نظریہ ہمیں اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے دُور لے جاتا ہے۔ لفظ خدا سے ہماری کیا مراد ہے۔ وہ کاملیت سے ہٹ آگئے ہے۔ مسیحی عقیدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ "تین اقانیم اور ایک خدا" لیکن آگسٹن

کی کھینچی ہوئی تصویر میں پاک رُوح بطور محبّت کے پیش کیا گیا ہے جس
نے باپ اور بیٹے کو یک جا جکڑ رکھا ہے اور شخصیّت سے بھی کم
دکھائی دیتا ہے۔ آؤ اُس کے اسی خیال کو ذرا اور آگے لے چلیں۔ ایک
مسرّت افزا شادی میں جہاں میاں بیوی ایک دُوسرے سے سچّی محبّت
کرتے ہیں وہاں وُہ یوں نظر آتے ہیں جیسے محبّت کی اُن انتہائی بلندیوں
سے لُطف اندوز ہوں جو زندگی بہم پہنچا سکتی ہے لیکن جب پہلا
بچّہ پیدا ہوتا ہے تو وُہ اپنے سامنے محبّت کی ایک نئی اور عجیب
دُنیا دیکھتے ہیں۔ پہلے وُہ ایک دُوسرے کو پیار کرتے تھے لیکن جب
پہلا بچّہ پیدا ہوتا ہے تو وُہ اپنے سامنے محبّت کی ایک نئی اور
عجیب دُنیا دیکھتے ہیں۔ پہلے وُہ ایک دُوسرے کو پیار کرتے تھے
لیکن اب دونوں یکجہتی کے ساتھ ایک تیسری شخصیّت کو پیار کرتے
ہیں۔ اب وُہ خود کو محبّت اور خوشی کی ایک نئی گہرائی کی جانب
گامزن پاتے ہیں جو کبھی اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی مگر ہمیں
خُدا کی زندگی ایک انسانی خاندان کی زندگی کی طرح تصوّر نہیں
کرنا چاہیئے لیکن انسانی محبّت کو سمجھ لینے سے خُدا تعالیٰ کی کامل
محبّت کو سمجھنے میں ضرور مدد ملتی ہے۔ اب ہم اصل مسئلہ کی طرف
واپس لوٹیں یعنی مسیحی عقیدہ ہمیں خُدا کے متعلق یہ بتاتا ہے کہ "تین
اقانیم اور ایک خُدا ہے"۔ وُہ شخصی ہستی کیا ہے؟ ایک شخص
وُہ ہے جسے ہم جان سکتے ہیں اور جس کی جانب سے ہم جانے جا

سکتے ہیں جسے ہم پیار کر سکتے ہیں اور جس کی جانب سے ہمیں پیار کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے مسیحی اس تصور کے تحت باپ، بیٹے اور پاک رُوح کو ایک شخصیت سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں یسوع کو ہم جان سکتے اور پیار کر سکتے ہیں کیونکہ اُس نے ہماری طرح ہی انسانی زندگی بسر کی جیسی کہ ہم کرتے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ خُدا باپ کو ایک ایسی عظیم طاقت سمجھتے ہیں جس کے آگے ہم خوفزدہ ہیں اور رُوح کو ایک غیر مرئی اثر سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان بودے اور نامکمل تصوّرات سے گریز کرنا لازم ہے۔

اب لفظ "باپ" اتنا اہم ہے جسے خُداوند یسوع نے خود بھی متواتر استعمال کیا ہے۔ ہمارا ایک انسانی باپ ہے جو ہماری تخلیق کا موجب ہُوا۔ اُس کی محبت نے ہماری رہبری، تربیت اور اصلاح کی اور اُس کے ساتھ اُس کے کام کاج میں ہماری فرمانبرداری، تعاون اور محبت اور سمجھ بوجھ ترقی پذیر رہی۔ خُدا کے متعلق کہ وہ باپ ہے یہ چیزیں مساوی طور پر صحیح ہیں۔ لیکن یہ حقیقت تب ہی سچی ہو سکتی ہے جب خُدا بھی ایک شخصی ہستی مانی جائے جو ہمیں ایک شخص کی طرح پیار کرتا ہے اور جسے ہم بحیثیت انسان پیار کر سکتے ہیں۔

نیکی اور اچھائی کے لئے ہم کسی ایسے آدمی سے متاثر ہیں جسے ہم جانتے ہیں مثلاً والدین، اُستاد، دوست احباب۔ لیکن اس لفظ "اثر" کا کیا مطلب ہے؟ نیکی اور اچھائی کا اثر یا رغبت ایسے شخص کا کام

ہے جو ہماری زندگیوں کا ایک حصّہ بن چُکا ہے۔ وُہ ہمیں ویسا ہی بنانے کے لئے جیسا کہ ہم بننا چاہتے ہیں، طرح طرح سے مصروفِ کار رہتا ہے۔ اگر پاک رُوح بھی ہمیں تبدیل کرنے اور ایسا بنانے میں مصروف رہتا ہے، جیسا کہ یسُوع مسیح ہے تو یہ اسی صُورت میں ممکن ہے۔ وُہ خُود بھی ایک شخص ہے اور ہمیں ایسے ہی پیار کرتا ہے جیسے کہ ایک شخص دُوسرے کو پیار کرتا ہے اور جب ہم کمزور ہوتے ہیں تو ہماری مدد کے لئے اپنی طاقت کو استعمال کرتا ہے اور جب ہم تاریکی میں ہوں تو وُہ ہماری رہنمائی کے لئے اپنی روشنی بہم پہنچاتا ہے۔

## اُلُوہیت کا راز:

یہاں ہمیں ایک اور دقّت پیش آتی ہے۔ کیا ہم سچ مچ مذکورہ خُدا کو جان سکتے ہیں جو ہمیشہ واحد بھی ہے اور ثالُوث بھی، جسے ہم ہمیشہ واحد کے طور اور (ثالوث) تین اقنوم کی صُورت میں بھی پیار کریں۔ ہمیں یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم ایسے خُدا کی اصلیّت کو کامل طور پر نہیں سمجھ سکتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اُسے قطعی طور پہ پہچان ہی نہیں سکتے۔ تھوڑی دیر کے لئے ہم حیوانات سے اپنے تعلّقات پر غور کریں۔ یہ یقینی امر ہے کہ ہم اپنے کُتّوں کو پیار کرتے ہیں اور وُہ ہم سے اُنس رکھتے ہیں۔ کسی حد تک وُہ ہمیں جانتے اور سمجھتے بھی ہیں۔ کسی حد تک وُہ ہماری خُوشی اور غم میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری بہُت سی ایسی باتیں ہیں جو ہمارے کُتّے نہیں سمجھ سکتے، وُہ بول نہیں سکتے، وُہ ہمارے

منصوبوں پیشکشوں اور عبادتوں میں ہمارے شریک نہیں ہو سکتے۔ ہماری اور ان کی زندگیاں کسی حد تک مشترک ضرور ہیں اور یہ امر تعجب انگیز نہ ہوگا اگر ہم موجودات کی ایک فہرست تیار کریں جس کا کہ ہم بھی ایک حصہ ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ :-

ایک وہ جن میں زندگی نہیں ہے۔

ایک وہ جن میں زندگی تو ہے لیکن حرکت نہیں۔

ایک وہ جن میں زندگی اور حرکت دونو ہیں۔

ایک وہ جن میں زندگی، حرکت اور ذہانت ہے۔

ایک وہ جن میں زندگی، حرکت، ذہانت اور رُوح ہے۔

یہاں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مناسبت اپنے اوپر والی مناسبت سے لگاؤ رکھتی ہے لیکن ہر ایک حالت میں اوپر والی مناسبت اپنے سے نیچے والی مناسبت کے لئے بعید الفہم ہے اور یہ امر تعجب خیز ہے کہ خدا تعالےٰ جو کہ ازلی اور غیر تخلیق کردہ ہے ہمارے لئے بھی بعید الفہم ہے جو تخلیق کنندہ ہے لیکن ان میں ازلیت نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ مساوی طور پر ممکنات میں سے ہے کہ اس کی زندگی کو درحقیقت ہماری زندگی سے مس ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ ہماری حقیقی رفاقت لازمی ہے۔

لیکن ایک بار پھر ہمیں یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ کیا ہمارے لئے مسیحی ہونے کی حیثیت سے یہ تمام مشکل تعلیم کوئی عملی اہمیت رکھتی ہے؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ تثبیت کی تعلیم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہمیں بطور مسیحی کے کیسی زندگی بسر کرنی ہے۔ جب ہم اعتقاد رکھتے اور بپتسمہ لیتے ہیں تو ہم ایک رفاقت میں شریک ہیں جو ہماری پیدائش بلکہ اس کے تصور سے بھی پہلے کی موجود ہے یا یسوع مسیح کے وسیلے سے ہم اس کا ایک حصہ ہیں۔

دُنیا میں ہماری فطری زندگی ہمیں اعلےٰ فطری زندگی کے متعلق بہت کچھ سکھاتی ہے جو ہمیں رُوح کے وسیلے سے بسر کرنی ہے۔ ہم اپنی پیدائش کے فوراً بعد اپنے خاندان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ہمارا خاندان ہماری پیدائش سے پہلے موجود تھا۔ ہم نے اُسے نہیں بنایا بلکہ ہم اُس کا ایک حصہ بنے۔ ایک مکمل خاندان میں ہمیشہ سہ گونا رشتہ داری ہوتی ہے۔ والدین کی والدین سے۔ والدین کی بچوں سے اور بچوں کی والدین سے اور پھر بچوں کی ایک دوسرے سے۔ اپنی پیدائش کے وقت ہمیں اس خاندان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوتا گو ہم اُسی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ ہم خاندانی حالات و معلومات کبھی بھی پوری طرح نہیں جان سکتے کیونکہ ہم اپنی پیدائش کے پہلے کے اُن حالات سے جو ہمارے والدین کو پیش آ چکے ہوتے ہیں، بے خبر ہیں اور نہ ہی کبھی اس واقفیت اور دانست کی تکمیل ہو سکتی ہے کہ ہم نے اپنے خاندان میں اپنا حصہ کیسے ادا کرنا ہے۔ مگر یہی تمام باتیں ایک عقیدت مندانہ زندگی میں حقیقت سے لبریز پائی جاتی ہیں۔

جب ہم بپتسمہ پاتے ہیں تو خُدا کے فضل سے ہم خداوند مسیح کے

رُکن بن جاتے ہیں اور اس طرح اُسی کا ایک حصّہ بن کر ہم اُس خاندان
میں داخل کر لئے جاتے ہیں جس کا سردار خُدا تعالےٰ ہے۔ اس خاندان
میں بھی سہ گُنا رشتہ داری ہے۔ پاک ثالوث کی اندرونی رفاقت جو ازل
سے اس خاندان میں موجود تھی اور جسے ہم کبھی بھی پُوری طرح نہیں
جان سکتے یعنی خُدا کا پیار اُس کے فرزندوں کے لئے اور خُدا کے
فرزندوں کی محبّت خُدا کے لئے اور باہم ایک دُوسرے کے لئے۔
ہم از خُود اس رفاقت کو نہیں بناتے بلکہ یہ ہماری پیدائش سے بھی
بہُت قبل موجُود ہوتی ہے اور ہم خُدا کے اس خاندان میں شامل کر
لئے جاتے ہیں جو پیشتر سے ہی موجُود ہوتا ہے۔ جب ہم اس میں
شامل ہوتے ہیں تو ہمیں اس کے متعلق بہُت تھوڑا علم اور تفہیم ہوتی
ہے۔ ہمیں اس میں شامل رہنے کے لئے تمام طور وطریق سیکھنے پڑتے
ہیں اور ہمارے سیکھنے کی کبھی انتہا نہیں ہوتی لیکن اس رفاقت میں
رہنے سے ہم کُچھ سیکھ لیتے ہیں بلکہ تجربات کی بنا پر شاید اتنا سیکھ لیتے
ہیں کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ موت
کے بعد تو ہم اتنا زیادہ جان جائیں گے جو اس زندگی میں نہیں جان سکے۔
لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس ابدیّت میں کبھی خُدا تعالیٰ کو جاننے اور
پیار کرنے کی سُوجھ بُوجھ کی انتہا ہو گی۔

## ستائش کے ذریعہ ایمان کا اظہار

ہم نے نہایت سادہ ڈھنگ سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ

خُدا کو باپ، بیٹا اور رُوح القُدس تسلیم کر لینے سے کیا مُراد ہے لیکن مسیحیوں کے لئے یہ عقیدہ صرف قلب و ذہن کی حدُود تک محدُود نہیں ہے بلکہ اس میں محبّت، پرستش اور ستائش بھی شامل ہیں۔ شاید ہم باپ بیٹے اور پاک رُوح القُدس کے ابدی مُبارک ثالُوث میں اپنے ایمان کا اظہار ذیل کی مشہُور و معرُوف حمد کی زبان میں زیادہ بہتر طریق سے ادا کر کے کتاب کا تتمّہ کر سکیں۔ اس مقبُول ترین حمد کا ترجمہ دُوسرے مسیحی گیتوں کے مقابلے میں دُنیا کی بہت زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔

## گیت

۱۔ اقدس، اقدس، اقدس ربّ خُدائے قادر
صبح کے وقت ہم گاتے حمد تیری اے معبُود
اقدس، اقدس، اقدس اے رحیم و قادر
واحد خُدا میں پاک ثالُوث محمُود

۲۔ اقدس، اقدس، اقدس تیرے تخت کے سامنے
کُل مقدّسین ثنا گاتے ہیں مُدام
کرّوبین و سرّافین تجھے سجدہ کرتے
جو تھا اور ہے اور رہے گا دوام

۳۔ اقدس، اقدس، اقدس، پُر جلال و عظمت
گرچہ ناراست آدمی نہ دیکھے یہ جمال

تُو ہی صرف ہے اقدس لاشریک پُر رحمت
قُدرت و پیار اور قُدس میں باکمال

۴۔ اقدس، اقدس، اقدس، رَبّ خُدائے قادر
ساری مخلُوقات کا صرف تُو ہی ہے معبُود
اقدس، اقدس، اقدس اَے رحیم و قادر
واحد خُدا میں پاک ثالُوث محمُود

(آمین)

---

381

وطن پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپکر مسٹر ڈی۔ ایس۔ کے فضل
جنرل منیجر پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور کے اہتمام سے شائع ہوئی۔

The Publication of this Book was
Assisted by a grant made by
The W. P. C. C. Literature Board.

Printed at the Punjab Press and Published by Mr. V. S. K. Fazal,
Secretary, Punjab Religious Book Society, Anarkali, Lahore.